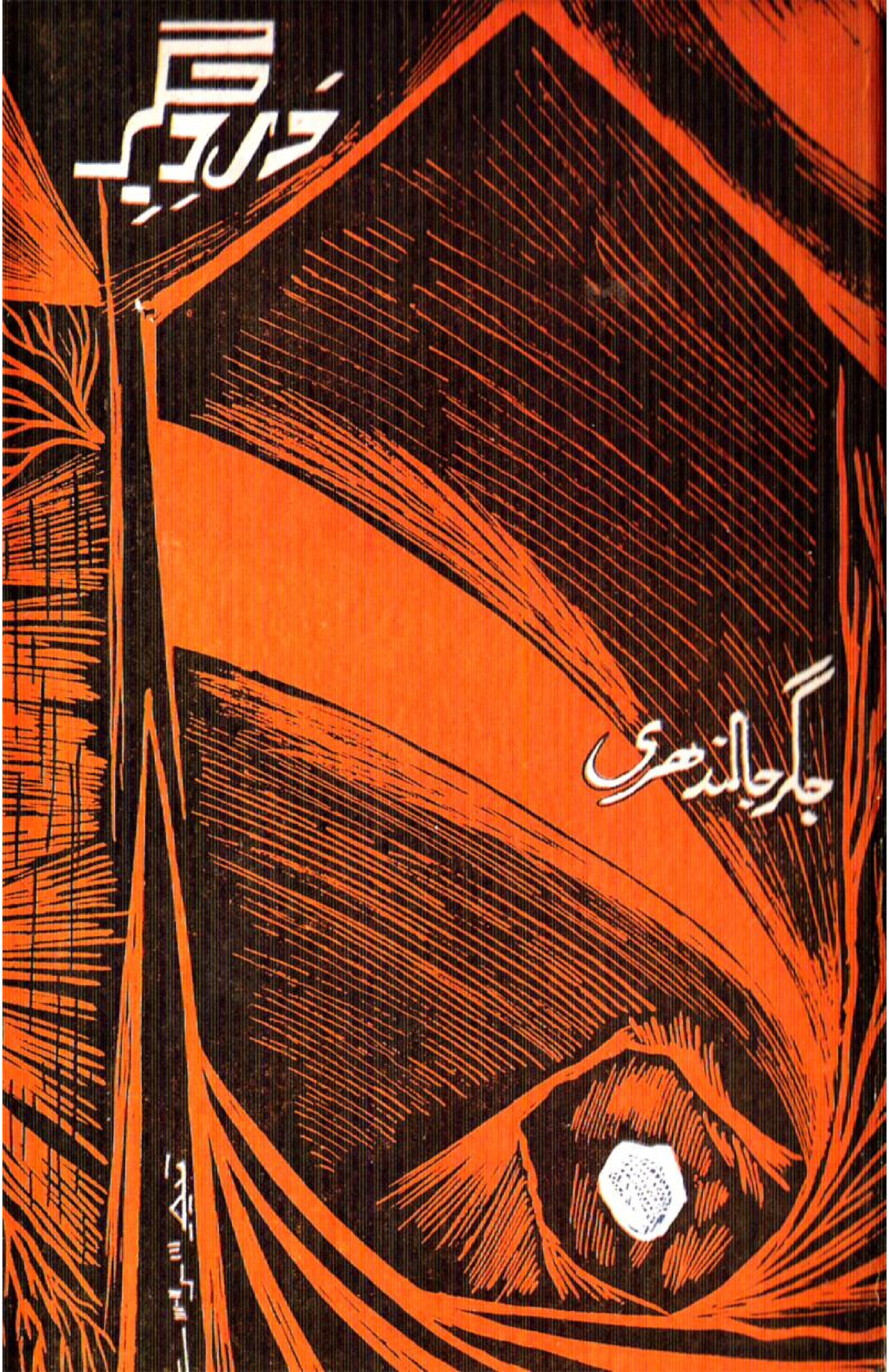

جگر جالندھری

دردِ جگر

جگر جالندھری

تمام حقوق بحقِ شاعر محفوظ ہیں

سنِ اشاعت : ۱۹۹۰ء
مطبع : ہمدرد آفسیٹ پریس جالندھر شہر
تعداد : ایک ہزار
خوش نویس : خوش رقم
قیمت : ساٹھ روپے
ناشر : جِگر جالندھری ۶۲۷ گلی ۶ گور بخش کالونی پٹیالہ

○

کِتاب مِلنے کے پتے :

* دفتر شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی
* جِگر جالندھری ۶۲۷ گلی ۶ گور بخش کالونی پٹیالہ - ۱۴۷۰۰۱

مُحترم دوست

جناب اوم پرکاش مُنجال

کے

نام

جِگر جالندھری

اِس کے طُفیل رہتا ہوں سرگرم صُبح و شام
"دردِ جگر" بھی اِک ہے مری زِندگی کا نام

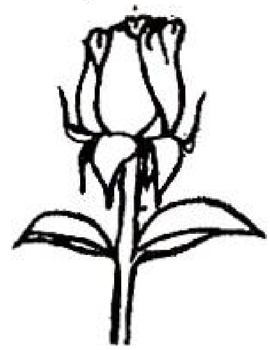

جِگرؔ جالندھری

اظہارِ تشکّر

مَیں یُوں تو اپنے تمام بزرگوں، مہربانوں اور دوستوں کا شُکر گزار ہُوں۔ جن کی دُعا، سرپرستی اور تعاون سے "دردِ جگر" منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے۔ لیکن پھر بھی اِس باب میں مندرجہ ذیل حضرات کا خاص طور سے ممنُون ہُوں:۔

- جناب امر چند قیسؔ
- جناب رتن پنڈوروی
- جناب ساحرؔ ہوشیار پوری
- جناب خُمارؔ بارہ بنکوی
- جناب کشمیری لال ذاکرؔ
- جناب رام لعل (لکھنؤ)
- جناب آر۔ڈی شرما (تاثیرؔ)
- جناب بالکرشن سِنگلا
- جناب اے۔ ایل بھرارا
- جناب جگتار سنگھ اور
- جناب اے۔ کے کندرا

جِگرؔ جالندھری

ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا (سابق وزیرِ اعلیٰ بہار) آل انڈیا میر اکاڈمی کی جانب سے "امتیازِ میر ایوارڈ"
پیش کرتے ہوئے۔ ۱۹۸۵ء

روٹری کلب جالندھر سنٹرل کی جانب سے ایس۔ وی ہنس سابق گورنر روٹری مصنف کو
سنمان پیش کرتے ہوئے۔ تصویر میں کلب کے صدر شری سود بھی نمایاں ہیں۔

اِرشادات و تاثّرات

دُعائیہ

ابوالفصاحت پدم شری قبلہ جوشؔ ملسیانی

جگرؔ جالندھری میرے قابل شاگرد ساحرؔ صاحب سیال کوٹی سے کامیاب تربیت حاصل کرتے رہے ہیں اور مجھ سے بھی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ زبان اور فن کی تحقیق کے شیدائی اور حُسنِ سخن کے فدائی ہیں۔ طبیعت شاعری کے لئے بہت موزوں ہے۔ اُن کی صحیح قسم کی موزونیِ طبع پیچیدہ بحروں میں بھی صحیح کہنے پر قادر ہے۔ تخیّل اور زبان کو دوش بدوش رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ نتائجِ افکار میں جھول بہت کم ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ متروکاتِ شعری اور متروکاتِ زبان کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ بندش کے لحاظ سے شعر عموماً ٹھوس اور مضبوط ہوتا ہے۔ طبیعت زیادہ تر غزل ہی کا میدان پسند کرتی ہے۔ ہر قسم کی عُریانی اور بازاری زبان سے بچ کر شعر کہتے ہیں۔ خوش بیانی اُن کی طبعِ سلیم کا جوہر ہے۔ مثالیں مُلاحظہ ہوں:

سنّی ہی پڑے گی تمہیں سُنّی ہی پڑے گی ؎ آوازِ محبت ہے۔ یہ آوازِ محبت

دونوں مصرعوں میں الفاظ کی تکرار نے جو زور پیدا کیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ اِس میں تقاضا بھی ہے اور ادِعا بھی۔ دونوں نے مل کر شعر میں بہت قوت پیدا کر دی ہے۔ ؎

کوئی زندگی کی تمنا نہ کرتا ؎ اگر اس میں ہوتا نہ عہدِ جوانی

شعر سراپا حقیقت ہے۔ عہدِ جوانی کی دل کشی کا بیان اس سے بہتر کیا ہوگا؟ دو لفظوں میں اِس دلکش دور کی پوری تصویر سامنے آگئی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اُن کا کلام قدرشناسوں کی محفل میں ضرور مقبول ہوگا۔ اِس دُعائیہ مصرع پر یہ تعارف ختم کرتا ہوں: ع اللہ کرے حُسنِ سخن اور زیادہ۔ ●

جگؔر جالندھری

سحر البیان جناب ساحرؔ سیال کوٹی

جگؔر جالندھری میرے پہلے عزیز ہیں۔ جن کو اُن کی پختہ گوئی کی وجہ سے عملی طور پر فارغ الاصلاح قرار دے چکا ہوں۔ مگر وُہ ابھی تک مسلسل مجھے کلام بغرض اصلاح بھیجتے رہتے ہیں جو اُن کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ شعر و سخن سے انہیں رغبت فطری ہے اور وہ شعر کے حُسن و قبح کو بخُوبی سمجھتے ہیں۔ اِس لئے شعر کہتے ہوئے اُن کی شعر کے تمام پہلوؤں پر نظر ہوتی ہے۔ شعر کی زبان صاف۔ سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ خیال کے اظہار میں کوئی اُلجھن پیدا ہونے پائے۔ ابوالفصاحت پدم شری قبلہ جوشؔ ملسیانی کا شعر اُن کے کلام پر صادق آتا ہے۔ ؎

ہم سے کِس بات پہ اُلجھیں گے حریفانِ سُخن
ہم نے اُلجھا ہُوا مضموں کبھی باندھا ہی نہیں

اگر میں اُن کے کُچھ اشعار جو اُن کی قادر الکلامی اور رنگین بیانی کی مُنہ بولتی تصویر ہیں۔ درج کر کے داد دُوں تو شاید اِسے خودستائی سمجھا جائے۔ اِس لئے یہ کام شائقینِ شعر و سُخن ہی پر چھوڑتا ہُوں کہ وُہ خُود اُن کا کلام پڑھ کر اپنی رائے قائم کریں کہ اُن کا اُردو شاعری میں کیا مقام ہے۔ •

جگر کون؟

(سحابِ سخن مولانا ابر احسنی گنوری)

آئیے میں بتاؤں جگر کون ہیں۔ کیونکہ میں جگر کو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا جگر خود کو جانتے ہوں گے۔ اور ممکن ہے وہ خود کو اتنا نہ جانتے ہوں جتنا میں جانتا ہوں۔ کیونکہ شراب کو اپنا نشہ اور شیر کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ تو وہی جان سکتے ہیں جکو اُن سے پالا پڑے۔ مجھے جگر کا بہت پالا پڑا ہے۔ میں نے انہیں خوب پرکھا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

جگر شعر کے مزاج کو ایک طبیبِ حاذق کی طرح جانتے ہیں اور انہیں الفاظ کے استعمالِ برمحل کا عرفان ہے۔ آپ جگر کا کلام پڑھیں گے ہی۔ سچ کہیئے میں نے کچھ جھوٹ تو نہیں لکھا۔ آپ کیف میں ڈوب گئے یا نہیں۔ آپ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے یا نہیں۔ جگر کے شعر آپ کو اپنی کہانی معلوم ہوئے یا نہیں۔ یہی کمال ہے اس جگر میں۔ اور آپ جانتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ جگر کے اشعار میں اتنی صفائی، اتنی کاریگری، اتنی بے باکی اور اتنی تاثیر کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ جگر عصرِ حاضر کے خود پسند شعراء میں نہیں ہیں۔ انہوں نے شعر کہنے پر محنت کی ہے۔ انہوں نے اس فن کو ایک بڑے فن کار سے سیکھا ہے۔

ظاہر میں جگر آپ کو سیدھے سادے مگر شگفتہ پھول نظر آئیں گے۔ لیکن ذرا چھیڑ کر دیکھیئے۔ شاعری کے کسی حسن کی بابت۔ قبح کی بابت۔ زبان و بیان کی بابت تو معلوم ہوگا کہ یہ سیدھا سادہ شخص ایک طوفانِ بے کراں ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ کسی شعبۂ شعر سے بے خبر نہیں ہے۔

صرف ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔ آپ یقیناً میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ ؎

حسرتوں کا ہو گیا ہے اس قدر دل میں ہجوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کے لئے

کیا داد دی جائے اس بالغ نظری اور نازک بیانی کی، جس کو واقعہ بنا دیا ہے۔ مبالغہ کا کتنا حسین پہلو اُجاگر کیا ہے!

ہردِل عزیز شاعر

(ابوالبلاغت جناب دتّن پنڈوروی)

جگرؔ جالندھری دُنیائے شاعری میں جانی پہچانی ہُوئی ہستی ہیں۔ آپ کے کلام کی اہمیت اِس اَمر سے صاف طور پر نُمایاں ہے کہ آپ نے اِبتداہی میں حضرت جوشؔ ملسیانی ایسے اُستادُالاساتذہ کے حضُور میں زانُوئے اَدب تہ کیا۔ قبلہ موصُوف کے ایما سے اُن کے مُمتاز شاگرد ساحرؔ سیال کوٹی سے باقاعدہ فیض یاب ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اِنفرادیت میں بھی اِجتماعی حقیقت جلوہ گر ہے۔ سب سے بڑی خُوبی آپ کے کلام کی فنّی احتیاط ہے اور دُوسری قابلِ قدر بات یہ ہے کہ آپ شاعری کی نئی اقدار کو اپنانے میں بھی ہمہ تن مصرُوف ہیں۔ زبان کی دُرستی، بیان کی چُستی، بندش کی صفائی کا یہ عالم کہ آپ کے کلام میں اُلجھن نام کو نہیں۔ نہایت سُلجھا ہُوا کلام، نادر ترکیبیں، دِل کشی اور پُختگی، جوش اَور ملاحت کلام کو ہردِل عزیز بنا رہے ہیں۔

دُعا ہے کہ قادرِ مُطلق آپ کو دراز سے دراز تر عُمر عطا کرے تاکہ تشنگانِ اَدب دیر تک سیراب اور فیض یاب ہوتے رہیں ——— آمین!

شاعرِ معجز بیاں

جگرؔ جالندھری

ممتاز الشعراء ساحرؔ ہوشیارپوری

*

جگرؔ تخلص کی یہ فضیلت ہے کہ جس سخن گو نے بھی اِسے اختیار کیا۔ وُہ مقبولیت اور شہرت کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر درخشاں ہُوا۔ جگرؔ بریلوی، جگرؔ مُرادآبادی، جگرؔ گورکھپوری اور ہمارے جگرؔ جالندھری کی مثال میرے اِس نظریے کی تصدیق کرتی ہے۔

جگرؔ جالندھری کو موزونیِ طبع مبداءِ فیاض سے عطا ہُوئی۔ زُود گوئی اور پُرگوئی کا وصف اُنکی ذاتی صلاحیتوں کا ثمرہ ہے۔ خُوش فکری کا ملکہ مشقِ سُخن کی دین ہے اور صفائیِ بیان و سادگیِ زبان کی شعبدہ کاری جو دبستانِ داغ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اُن کے اُستادِ محترم جناب ساحرؔ سیالکوٹی مرحُوم کی تربیت و رہ نُمائی کی مرہُونِ منّت ہے۔

جگرؔ صاحب کا کلام عیُوب سے پاک اور شعری محاسن کا ایک ایسا پیکرِ جمیل ہے۔ جو قاری کے ذہن و دِل کو فرحت اور رُوح کو بالیدگی سے ہم کنار کرتا ہے۔ نظم، غزل اور قطعات پر مُشتمل ان کے چار مجموعے شائع ہو چُکے ہیں۔ حکومتِ پنجاب، اُترپردیش اُردو اکادمی اور دیگر ادبی تنظیموں نے اُن کو اعزاز و انعام سے نوازا ہے۔ اُن کا جَشن بھی منایا گیا اور اُن کی ایک کتاب کی رسمِ رُونمائی راشٹرپتی بھون میں عزّت مآب گیانی ذیل سنگھ سابق صدرِ جمہُوریہ ہند کے دستِ مُبارک سے عمل میں آئی۔ عوام و خواص میں اُن کے کلام کی یہ پذیرائی اِس امر کی دلالت کرتی ہے کہ اُنھوں نے اپنا شعری سفر نہائت استقلال، لگن اور محنت سے طے کرنے کے بعد ہی یہ مقام بُلند حاصل کیا ہے۔ اور فنِ شعر کے رمُوز و نکات کو سمجھنے، پرکھنے اور سلیقے سے برتنے کی ہُنرمندی اُن کی مسلسل ریاضت ہی کا صِلہ ہے۔ اُن کے اشعار میں آورد کا شائبہ تک نہیں۔

آمد ہی آمد ہے۔ کلام پڑھتے جائیے اور آفرین و مرحبا کہتے جائیے۔

جناب جگرؔ کا نیا مجموعۂ کلام "دردِ جگر" زیر اشاعت ہے۔ اِس میں مشمول چند اشعار پر نظر ڈالتے ہی میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ علم بدیع کے عمیق مطالعے سے بھی اِس حد تک بہرہ ور ہیں کہ صنائع لفظی و معنوی کسی شعوری کوشش کے بغیر اُن کے کلام میں حُسن و خُوبی کے مظاہر بن کر جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند شعر پیش ہیں:

رہنے والی ایک صورت پر کوئی صورت نہیں
اپنی صورت دیکھ کر حُسن اِتنا اِترایا ہے کیوں؟

نیز

مِل جائے جو دیوار سے دیوار کا سایہ
ہم سائے اب اِتنا بھی گوارا نہیں کرتے

دونوں شعر صنعتِ تجنیس اور صنعتِ تکرار کی اعلیٰ امثال ہیں۔ پہلے شعر میں صورت اور دوسرے شعر میں دیوار کی تکرارِ فصیح داد سے مستغنی ہے۔ نیز دوسرے شعر کے مصرعۂ دوم میں صنعتِ تحتانیہ بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ یعنی اِس مصرعہ کے تمام نقطہ دار حروف کے نقطے نیچے واقع ہوئے ہیں۔

خود کو پہلے اُس سے اُونچا کیجیے
غیر نیچا خود بہ خود ہو جائے گا

سلاست تو اِس شعر کی جان ہے ہی اور درسِ صداقت اِس کی رُوح۔ مزید برآں "نیچا" اور "اُونچا" کے الفاظ صنعتِ متضاد کے حامل ہیں۔ صنعتِ متضاد ہی میں ایک اور شعر دیکھیے:

کب وہ رُکتے ہیں کسی منزل پر
جن کو چلنے میں مزا آتا ہے؟

"رُکتے" اور "چلنے" میں تضاد ظاہر ہے۔ اِس شعر میں مضمون آفرینی بھی لائقِ تحسین و داد ہے۔

صنعتِ عکس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

صاف گوئی سے کیا لیا ہم نے؟
سب کو دُشمن بنا لیا ہم نے؟

۵ مسکراتا ہے تو ستا کے مجھے
میں ستاؤں گا مسکرا کے تجھے

سبحان اللہ، سبحان اللہ! اِن اشعار میں صنعتِ عکس کی دِل نواز خصوصیت کے ساتھ ساتھ برجستگی اور سلاست کے عناصر کارفرما ہیں۔ دُوسرے شعر میں تو "خُود کلامی" کے انداز نے عزم، وِقار، خُودداری اور عظمتِ عشق کی گویا تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ جِسے دیکھا نہیں جاسکتا، محسُوس کیا جاسکتا ہے۔ ۵

ہم نے کِتنے پہاڑ کاٹے ہیں
اِک تمنّا کی مُورتی کے لِیے

شعر کے مصرعِ ثانی میں تمام حرُوف کے نُقطے اُوپر ہیں۔ اِسے صنعتِ فوقانیہ کہتے ہیں۔

۵ شگوفے اپنی ہستی کو مِٹا کر پھول بنتے ہیں
جگرؔ! پانے کی خاطر کچھ نہ کچھ کھونا ہی پڑتا ہے

اِس شعر کے پہلے مصرعے میں صنعتِ مراعات النظیر اور دُوسرے مِصرعے میں صنعتِ متضاد کا حَسین استعمال ہُوا ہے۔ جو خالقِ شعر کی چابک دستی اور نکتہ آرائی کا غماز ہے۔

اِس مختصر سے جائزے میں جنابِ جگرؔ کی غزلیہ شاعری ہی کے چند پہلوؤں پر اظہارِ رائے کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اِدھر میری رفتارِ صحت میں بے ربطی پیدا ہوچکی ہے اور اُدھر اُن کے نئے شاہ کار کی اشاعت کا مسئلہ تمام تر عجلت کا متقاضی ہے۔ لہٰذا اُمید کرتا ہوں کہ اِس پس منظر میں یہ چند سطور ہی "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا" کا جواز متصوّر ہوں گی۔

جگر جالندھری

میری نظر میں

علامہ امر چند قیس جالندھری

اگرچہ جگر جالندھری کی ہستی آج کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور آئندہ بھی لکھے جانے کا امکان ہے۔ جب کہ کلام میں زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن پھر بھی موضوعِ سخن کی طرف آنے سے پیشتر اس بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کرنا غیر موزوں نہ ہوگا۔ بلکہ مربوط اور دلچسپی کا باعث۔

جگر کا اسمِ گرامی دھرم پال ہے۔ ایک معزز کھتری گھرانے کے چشم و چراغ، جن کے آبا و اجداد موضع سارنگ دیو کے باشندے تھے۔ جو دریائے راوی کے کنارے ضلع امرتسر میں اُس سرحد پر واقع ہے۔ جو پاکستان سے ملتی ہے۔ اُن کے والد لالہ دیس راج مرحوم تقسیمِ وطن پر دوسرے لوگوں کے ہم راہ نقلِ وطن کر کے جالندھر میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور جگر نے اعلیٰ تعلیم بی۔ اے ایل ایل بی تک حاصل کی، امتیازی درجے کے ساتھ۔ ادیبِ فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ وہ پنجاب سٹیٹ الیکٹری سٹی بورڈ پٹیالہ کے دفتر میں ملازم ہیں۔ فرائض کی ایمان دارانہ ادائگی سے اب ایک اعلیٰ عہدے پر متمکن ہیں ... اُن کی تاریخِ ولادت ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء ہے۔ مستقل طور پر اپنے ذاتی مکان "مردولا کاٹیج" ۶۲۷، گلی ۶ گوربخش کالونی پٹیالہ میں مقیم ہیں۔ اگر جگر ناراض نہ ہوں تو اُن کی ذات کے متعلق کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں...... وہ ایک خوش رُو، خوش خلق، خوش مزاج، خوش گفتار انسان ہیں شریف، سادہ، بزرگوں کی عزت کرتے ہیں اور عزیزوں کا لحاظ۔ وفا پرست، مرنجاں مرنج جنہیں

سماج میں قدر و منزلت حاصل ہے۔

حضرت جگرؔ کے مندرجہ ذیل چار مجموعہ ہائے کلام پر شایانِ شان استقبال ہُوا ہے۔ اب محکمہ السنۂ پنجاب پٹیالہ "اندازِ جگر" کو گورمکھی لپی میں شایع کرا رہا ہے:۔

(۱) "سوزِ جگر"........ ۱۹۷۲ء ....غزلیات، قطعات

(۲) "لختِ جگر"........ ۱۹۷۹ء..... غزلیات، نظمیات، قطعات، متفرقات۔

(۳) "خونِ جگر"........ ۱۹۸۴ء ....غزلیات، جرعات، منتخب اور متفرق اشعار

(۴) "اندازِ جگر"........ہندی ۱۹۸۷ء .... غزلیات

تخلیقات کی بدولت انہیں پنجابی یونیورسٹی نے بہترین شاعر کا اعزاز اور انعام دیا۔ لائینز کلب جالندھر اور جے سیز جالندھر نے مشاعرے کے انعقاد پر کیسۂ زر .... روٹری کلب جالندھر کے اعزازی مشاعرہ میں انہیں کیسۂ زر کے علاوہ میمنٹو عطا ہُوا اور پٹیالہ میں "جشنِ جگرؔ" کے تقریبی مشاعرہ پر کیسۂ زر ملا۔ نیز سووینیر شایع ہُوا.... "لختِ جگر" پر اُتر پردیش اکادمی ایوارڈ اور محکمہ السنہ پنجاب، پٹیالہ کی طرف سے بہترین شعری تخلیق کا ایوارڈ.... ہیرو سائیکل پرائیویٹ لمیٹڈ لدھیانہ نے اعزازی تقریب پر کیسۂ زر اور روٹری کلب پٹیالہ نے کلچرل ایوارڈ دیا۔ علاوہ بریں روٹری کلب جالندھر اور روٹری کلب راج پورہ کی طرف سے کیسۂ زر، ٹرافی اور میمنٹو وغیرہ۔

جگرؔ صاحب تین دہائیوں کی زیادہ مدت سے ادب کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اُن کا رُوح پرور کلام ریڈیو سٹیشنوں اور ٹیلی ویژن مراکز سے نشر ہوتا ہے۔ مُلک کے سرکاری اور غیر سرکاری رسائل و جرائد احترام سے شایع کرتے ہیں۔ وہ ہندوستان گیر مشاعروں میں شریک ہو کر کلام کی پیش کش سے محفل پر چھا جاتے ہیں۔

خوفِ طوالت سے صرف پہلی تصنیف "سوزِ جگر" سے دو تین شعر پیش کر دینا کافی ہو گا۔ ایک "مشہور زمین" میں اُن کا یہ شعر سُنیئے اور سر دُھنیے۔

اُن کے آنے پہ بھی آنسو مرے بہتے ہی رہے
ڈوب جاتے ہیں ستارے تو سحر ہونے تک

آنسو غم کے موقعے پر اُمڈ آتے ہیں۔ خوشی کی تقریب پر بھی بہہ اُٹھتے ہیں۔ جگرؔ کا شعر مؤخرالذکر سے متعلق ہے۔ فرقت کی جاں ستاں رات! عاشق، معشوق کی یاد میں رہ رہ کر آنسو بہا رہا ہے کہ خلوتِ فرقت کی یاد حقیقتِ قربت بن گئی۔ جب معشوق خود آپہنچا۔ مگر شبِ ہجر سحر ہوگئی۔ عاشق کی پلکوں پر ستارے (آنسو) کانپتے ہی رہے۔ حال آں کہ فلک پر سو چکے تھے۔ فرقت کے ساتھ قربت میں بہنے والے آنسوؤں نے مضمون کی صداقت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ شعر خود بہ خود دِل میں اُترا جاتا ہے۔ آنسو کے متعلق ایک اور گراں مایہ شعر ؎

منظور کسی کو بھی نہیں خاک میں ملنا
آنسو بھی لرزتا ہُوا آنکھوں سے گرا ہے!

آنسو کے لرزنے کا مضمون تو بوسیدہ ہی ہے۔ جسے اکثر شعرائ ضبطِ تحریر میں لائے ہیں لیکن جگرؔ کا شعر فوقیت رکھتا ہے۔ جس میں لرزنے کی وجہ نے ثبوت بہم پہنچایا ہے کون چاہتا ہے کہ وہ پیوستِ خاک ہو کر مٹ جائے؟ وہ اِس خیال ہی سے کانپ اُٹھتا ہے۔ پھر آنسو کیوں نہ لرز اُٹھے؛ مصرعِ اولےٰ کے مفہوم کی وسعت نے شعر کو داد سے بالا کر دیا۔

اب صرف ایک شعر اور ؎

حسرتوں کا ہو گیا ہے اِس قدر دِل میں ہجوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کے لئے

نگاہِ فکر کی ندرت اور زبان و بیان کی نزاکت واقعہ بن گئی۔ جسے حُسنِ مبالغہ نے نمایاں کر دیا۔ تینوں شعر عطفِ اضافت کے بغیر ہیں سلاست قابلِ غور۔ قارئین مجھ سے ضرور متفق ہوں گے۔

جناب جگرؔ کی شاعری کے متعلق مجموعی طور پر کچھ کہنے کے بعد میں "دردِ جگر" کی طرف آؤں گا۔ مسود

میرے سامنے، میز پہ پڑا ہے۔ جو غزل، نظم، قطعہ اور فرد پر مشتمل ہے۔ جگرؔ اعلیٰ شعر کہتے اور پسند کرتے ہیں اور ان کی داد دیتے ہیں وہ مشکل بحروں میں آسانی سے طبع آزمائی کر کے سنگلاخ زمین کو پانی بنا دیتے ہیں۔ عروض کی سوجھ بوجھ اُن کے کلام کو نقائص سے پاک اور محاسن سے مالا مال کر دیتی ہے۔ جھول، اُلجھن، پیچیدگی نام کو نہیں۔ روانی قابلِ رشک۔ زبان، مضمون آفرینی کے مطابق۔ سخن پاکیزگی اور سنجیدگی کا مرقّع، جسے بازاریت اور رکاکت سے نسبت نہیں۔ احساسات، جذبات، خیالات کی ترجمانی شگفتہ، شُستہ اور پُختہ۔ وہ ادب برائے ادب کے ساتھ ساتھ ادب برائے زندگی کے بھی قائل ہیں۔ قدامت اور روایت کی بُنیادی اقدار کے حامی۔ جدید تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنے والے مگر بے معنی جدیدیت سے نفور۔ رنگِ تغزّل کی جھلک ہر صنفِ سخن میں پائی جاتی ہے جگرؔ صاحب کا سحرِ حلال جوش، جدّت اور سادگی کا نمونہ ہوتا ہے۔ جس کی نادر اور لطیف تاثیر دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ اُنہوں نے ہر قسم کے موضوعات پر جولانیِ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ سوز و گداز، رندی و سرمستی، رومانیت اور رُوحانیت، حُبِّ وطن، جنگِ آزادی، عالمگیر اخوّت، حُسن و عشق، ہجر و وصال، فلسفہ، حکمت، معرفت، محبّت اور ہوس میں امتیاز۔ ایک محقق اور نقّاد کی حیثیت سے انہوں نے مطالعہ اور مشقِ سُخن سے اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ متروک زمینوں میں شعر نہیں کہتے۔ متروک الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ ہندی کے چیدہ الفاظ کا صَرف غریب الدیار نہیں۔ گراں نہیں گزرتا۔ بلکہ آرائش و زیبائش کا سرمایہ۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ "دردِ جگر" غزل، نظم، قطعہ اور فرد پر مشتمل ہے:۔

(۱) غزل — غیر مردّف، مردّف اور مسلسل — ۴۰ عدد۔

(۲) نظم — مختلف بحور، مختلف اصنافِ سخن، مختلف تشاکیل — ۱۰ عدد

(۳) قطعہ (ا) "اصلی" (مطلع کے بغیر ...) (ب) "خصّی" یا "سقیم" رباعی کی پیروی میں، جس کا تیسرا مصرع غیر مقفیٰ، یا غیر مردّف — ۱۲ عدد۔

(۵) فرد — یعنی وہ شعر جو کسی "زمین" میں ایک ہی کہا جائے۔ (مطلع اور مقطع بھی ہو سکتا ہے۔ اسے "بیت" بھی کہتے ہیں) — ۲۳ عدد۔

"غزل" عربی لغت ہے۔ معنی، عورتوں سے باتیں کرنا، مراد، حسن و عشق کے متعلق جذبات کا اظہار ...... لیکن "غزل" فارسی کی پیداوار ہے۔ جہاں سے اپنے تمام لوازم کے ساتھ پشتو اور سندھی میں آئی۔ پھر اردو سے بہت سی ہندوستانی زبانوں میں مروج ہو گئی عربی میں غزل نہیں۔ شعرا، عاشقانہ جذبات کا اظہار قصیدہ کے ایک حصے میں کیا کرتے تھے۔

غزل نویسی جگر کا روحانی مشغلہ ہے۔ جس میں تغزل کا رنگ حسین و جمیل لہریں لیتا ہے ...... اور اشعار خود بخود یاد ہو جاتے ہیں۔ "دردِ جگر" کے سرسری مطالعہ سے قارئینِ کرام کو ہر غزل میں ایسے شعر مل جائیں گے۔ جنہیں تیر و نشتر قرار دیا جا سکتا ہے یہاں پانچ سات مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ تشریح کے بغیر یا اشارتاً تشریح کے ساتھ کیوں کہ وہ تشریح کی محتاج نہیں۔ آپ ہی اپنی تشریح ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ نازک آئینے کسی قسم کی تشریح کے لمس سے چکنا چور بھی ہو جائیں گے۔ ملاحظہ ہوں: ؎

صاف گوئی سے کیا لیا ہم نے؟
سب کو دشمن بنا لیا ہم نے!

(الٹی گنگا۔ صنعتِ عکس کی مثال) ؎

یہ دورِ محبت کا سبق بھول چکا ہے
اِس دور کو ہے نانک و گوتم کی ضرورت

(گمراہی اور اُس کا علاج:)

ے پلکیں روکیں خاک اشکوں کا ہجوم؟!
تنکوں سے دریا نہ روکا جائے گا (محاورہ)

•

ے کیا بلا ہیں آج کل کے چارہ گر!؟
زخم دل کا دیکھتے ہیں تیر سے (داد یا بے داد!)

•

ے یاد کی ٹیس کہاں جاتی ہے؟
وقت سے زخم تو بھر جاتے ہیں (حقیقت سوہان روح)

•

ے نہ جانے. اُس کی کیا مجبوریاں تھیں
پڑا غم میں بھی جس کو مسکرانا! (احساس سے تعلق)

•

ے دونوں ہاتھوں سے لوٹتی ہے ہمیں
کتنی ظالم ہے تیری انگڑائی! (توصیف کا انداز بیاں)

•

ے کوئی غم ہے، نہ شادمانی ہے!
کتنی بے کیف زندگانی ہے! (محرومیت کی بے مثال مثال)

•

جتنے مجبور ہو گئے ہیں ہم (مرصع صنعت ترصیع
اُتنے مغرور ہو گئے ہیں آپ مصرعوں کے الفاظ برابر)

•

ع کیا کرشمے سمجھتے رہ نماؤں میں؟
لوگ بٹتے گئے خداؤں میں! (رہ نماؤں کے کردار پر طنزِ جمیل)

•

ع ایسی موجوں سے بچنا ناممکن
چھپ کے رہتی ہیں جو کناروں میں (باطنی آفات زیادہ مہلک)

•

ع یہ بات اپنی شانِ کریمی سے پوچھیے
کیوں آج اِک زمانہ گنہ گار ہوگیا (اللہ میاں سے شوخی۔ جوازِ گناہ)

•

ع اوروں پہ سایہ کرتا رہا عمر بھر جو شخص
خود اُس کا زیرِ سایۂ دیوار ہوگیا (عبرت۔ صنعتِ تکرار)

•

ع اہلِ عزت میں تیری عزت بہت ہے، اے جگر!
وہ تجھے سمجھیں گے کیا جن کی کوئی عزت نہیں؟ (صنعتِ تکرار... ولی را ولی می شناسد)

•

ع جگر اچھا ہے یوں تو شاعر بھی
آدمی باکمال ہے۔ پیارے! (اچھا آدمی، اچھا شاعر)

•

اب ایک بلیغ نشتر۔ شاعر نے ساگر میں ساگر بند کر دیا۔ دو لفظوں میں ایک لمبی کہانی بیان کر دی.... دیہات میں رواج ہے کہ رسوئی میں جب بچے چولہے کے پاس بیٹھتے ہیں تو والدین

التجا کرتے ہیں۔ "کوئی بات (کہانی) سُنائیے۔ دِن ہو تو جواب ملتا ہے۔ رات کو سہی"۔
سوال کیا جاتا ہے۔ "کیوں؟" ...... جواب۔ "مسافر راستہ بھول جاتے ہیں" ...... مجھے
خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد آگیا: مَیں نے درخواست کی۔ "بات سُنائیے"۔ جواب آیا۔
"سنو ... ایک بیوہ کی دو لڑکیاں اچھے گھرانوں میں بیاہی گئیں۔ بڑی لڑکی ایک خوشحال زمیندار
کے ساتھ .... چھوٹی ایک امیر کے ساتھ جو اینٹوں کا کاروبار کرتا تھا۔ کئی بھٹوں کا مالک تھا۔
آج کی طرح ساون کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بیوہ کی ایک آنکھ میں آنسو تھے۔ دوسری
میں عزت کی لہر"۔ اس پر مَیں حیرت سے تکنے لگا۔ مگر فوراً جواب سے اطمینان خود ہی ہو گیا۔ بڑی
لڑکی کے ہاں کھیتی باڑی سے لہر بحر ہو جائے گی۔ مقام مسرت ہے۔ لیکن چھوٹی لڑکی کے شوہر
کا بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ بارش سے اُسے نقصان پہنچے گا۔ اینٹیں کیچ میں تبدیل ہو جائیں
گی" بات یعنی کہانی اِس طرح جاری رہی۔ اَب سُنیے جناب جگرؔ کا شعر۔

"یہ" مجھ سے خوش، "وہ" نا خوش!
مَیں ساون کی برکھا ہوں!

مجبوراً شعر کی تشریح و توضیح کے طور پر چند سطور سپردِ قلم کرنی پڑیں!

"دردِ جگر" میں دس کامیاب نظمیں ہیں۔ عنوانات ہیں:

(۱) زندگی
(۲) ہندی سپاہی
(۳) پیارے وطن
(۴) مہاتما گاندھی ــ عقیدت کے پھول
(۵) اے جواہر! اے امیرِ کارواں!
(۶) کشمیر کی وادی
(۷) حضرت عیسےٰ
(۸) داستانِ اُردو
(۹) حُسن
(۱۰) عشق

اَشعار کا اِنتخاب درج کرنا تضیعِ اَوقات ہوگا۔ خواہ مخواہ طوالت بھی۔ ہر نظم پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ شاعر نے موتی پرو دیے ہیں، قلم چُوم لینے کو جی چاہتا ہے! نظمیں حالاتِ حاضرہ کے تقاضے کی عکاسی کرتی ہیں اور ضرورت کے مطابق ہیں... "وادیٔ کشمیر" میں فطرت کے مناظرِ جمیل کی تصویر کشی قابلِ داد ہے... "داستانِ اُردو" — اُردو زبان کا نوحہ بھی ہے۔ نغمہ بھی...! "زندگی" میں متضاد پہلوؤں کا بیان لائقِ تحسین ہے... حُبّ الوطنی کی نظمیں وقت کی ضرورت کو پورا کرتی ہیں... حضرتِ عیسیٰ کے اقوال — وعظِ زرّیں ہیں!

"قطعہ" اصل صورت میں "مطلع" نہیں رکھتا۔ اب رُباعی کی پیروی میں اور غلطی یا سقیم قطعے کہے جاتے ہیں جن کے چاروں مصرعے مقفّیٰ یا مردّف ہوتے ہیں یا تیسرے مصرعے میں قافیہ، ردیف نہیں ہوتے۔ شعر کم از کم دو۔ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

ایک اصل قطعہ:

اِن کو حاصل ہے ایک اِک نعمت
پھر بھی کتنے اُداس ہیں یہ لوگ!
اِن کی تسکین ہو نہیں سکتی
اِک سمندر کی پیاس ہیں یہ لوگ!

حرص و آز پر کیا ضربِ کاری لگائی گئی ہے! آخری مصرع کی تشبیہ قابلِ داد۔

ایک اور اصل قطعہ:

جب کبھی دیکھتا ہُوں غور سے سب حرف اُن کے
اُن میں روتے ہُوئے اِنسان نظر آتے ہیں!
جا بہ جا جلتی ہُوئی لاشیں مجھے ملتی ہیں اَب
یعنی اخباروں میں شمشان نظر آتے ہیں!

زمانے کے تکدّر کے دِل کش، جاں ستاں اور رُوح فرسا حالات کی ترجمانی.

اور اب دو ایک خصی، یا سقیم قطعے۔ جن کا تیسرا مصرع قافیہ ردیف نہیں رکھتا:

مَسجِد میں اُدھر جاتے ہیں کچھ لوگ اذاں سے
مَندِر میں اِدھر جاتے ہیں کچھ عشقِ بُتاں سے
اُن لوگوں کا کیا چارہ کرے کوئی۔ الہٰی!
جن کو ہو عقیدت نہ یہاں سے نہ وہاں سے؟

ایک بڑے مذہب کا مقلد اُس شخص سے بہتر ہے۔ جس کا کوئی مذہب نہ ہو اور وہ منکر ہو۔ شاعر نے ایسے بے چارے لوگوں پر ترس کھایا ہے اور اسے اپنے مخصوص اندازِ بیاں سے اُجاگر کیا ہے۔

اب ایک اور ایسا ہی سقیم قطعہ:

سُقراط کو زہراب پلایا تھا تمہیں نے
عیسیٰؑ کو بھی سُولی پہ چڑھایا تھا تمہیں نے
اے اہلِ جہاں! آج جنہیں چوم رہے ہو
اُن پھولوں کو مٹی میں مِلایا تھا تمہیں نے!

اُن لوگوں کی ہنسی اُڑائی گئی ہے۔ جو ابن الوقت ہیں اور اپنے ہی بُرے کردار کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ لیکن پشیمانی کے طور پر نہیں۔ یہ مضحکہ خیزی نہیں تو اور کیا ہے؟ جگؔر کی بالغ نظری غور طلب ہے۔

"فرد" وہ شعر، مطلع، یا مقطع ہے۔ جو کسی زمین میں ایک ہی کہا جائے۔ اِسے "بیت" بھی کہتے ہیں۔ جگؔر صاحب نے تینوں اقسام پر قلم اُٹھایا ہے اب مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

مُسکراتا ہے تو ستاکے مجھے میں ستاؤں گا مُسکرا کے تجھے

مطلع مرصّع ہے۔ دونوں مصرعوں کے الفاظ کی تعداد برابر۔ ردیف " کے " حاجب " دونوں مصرعوں میں دو دو مختلف قوافی کے درمیان صنعتِ عکس۔ ؎

اُن کی بس ایک چشمِ عنایت کے واسطے
ہم نے دیئے ہزار محبت کے واسطے

ردیف کا آخری ٹکڑا " واسطے " نگینہ جڑ دیا گیا ہے۔ دو مختلف معنی میں شاعر کا کمال ہے!

؎ نہیں شعر و سخن سے سرسری وابستگی میری
یہی ہے بندگی میری۔ یہی ہے آرتی میری

شاعر شعر و سخن کا والہ و شیدا ہے، یہاں تک کہ اِسے، عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ جگر سے ملنے والے لوگ اُن کے اُس بیان کی تصدیق کریں گے جو اُوپر کے " مطلع " میں ہے۔

یہ فرد بھی دیکھیئے: ؎

ارمان محل ہو گیا مسمار کسی کا
بھونچال سے کچھ کم نہ تھا انکار کسی کا

دونوں مصرعوں میں " کسی " کی تکرار ملاحظہ ہو۔ معشوق اور عاشق کے لیئے استعمال ہوا ہے، یہ لفظ " کسی "

؎ برستے تھے ہمیشہ پھول جن سے
وہ لمحے آگ برسانے لگے ہیں!

زمانہ ماضی و حال کے دِل خراش عالم کی حقیقت افروز اور مکمل تصویر!

؎ آج کل کے میرِ محفل بھی عجب ہیں اے جگر!
آندھیوں کا سوچتے ہیں شمع بجھ جانے کے بعد!

موجودہ دور کے رہنماؤں پر حیرت فروش تبصرہ۔ واہ واہ! سبحان اللہ! سبحان اللہ!!

جگر کے کئی اشعار میں فوقیانہ اور تحتانیہ نقاط کی صنعت اپنے آپ قدرتی طور پر کسی کوشش کے بغیر آگئی ہے۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

اک رنگ میں گزار دی تو نے تمام عمر اے پھول! تیری وضع کے قربان جائیے

شانِ عشق کی یہ مثال بھی جو اِس مقطع میں ہے۔ دیکھیے۔ عاشقِ صادق اپنی پریشانی تو خوشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ مگر یہ اُسے گوارا نہیں کہ اُس کا محبوب اِس سے خود بھی پریشان ہونے لگے۔ چناں چہ وہی پریشانی، جو عشق کے لیے موجبِ مسرتِ دل ہے۔ حُسن کے پریشان ہو جانے پر اُس کے لئے موجبِ آزنت بن جاتی ہے! ملاحظہ ہو، یہ مقطع اسی سلسلے میں ؎ جگر! اپنی پریشانی سے میں بے حد پریشاں ہوں!

اُنہیں میری پریشانی سے ہوتی ہے پریشانی!

اب آخر میں ایک اور مقطع ؎

عشق کا اِک گناہ کر کے جگر! بچ گئے ہم کئی گناہوں سے

عشق کو "گناہ" کہہ کر شاعر نے اِس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ پھر اِس ٹھوس حقیقت پر غور کیجیئے کہ عشق عاشق کو اِس شدت کے ساتھ اپنا کر جذب کر لیتا ہے کہ اُسے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ عشق کو لاکھ گناہ قرار دیا جائے۔ لیکن یہ ایک ایسا اقدام ہے۔ درست اقدام، جو بے شمار غلط اقدامات سے بچا لیتا ہے۔ جو گناہِ کبیرہ ہی نہیں۔ بلکہ کفر بھی ہوتے ہیں۔

جگر کے کلام بلاغت نظام کے ساتھ کماحقہٗ انصاف نہیں کر سکا۔ مجبوری! کیا کیا جائے!؟

ورق تمام ہُوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیئے اِس بحرِ بیکراں کے لیے

ویسے بھی جگر کی لاجواب تخلیقات کے حُسنِ معنی اور حُسنِ زبان کی تعریف و توصیف معرضِ بیان سے بالا۔ •

جگر جالندھری

(در صنعتِ توشیح)

[شری گیان چند منصور نسیمی]

ج : جدّتِ دِل کُشا ہے حُسنِ کلام!
گ : گلشنِ جاں فزا ہے رنگِ پیام!
ر : رقص میں رُوح اس سے آتی ہے
ج : جدّت ایسا اثر دِکھاتی ہے!
ا : اس کے مدّاح ہیں سب اہلِ جہاں
ل : لوحِ عالم پہ نقش اس کے نشاں
ن : نُکتہ نُکتہ دلیلِ ندرت ہے!
د : داد کی مستحق بلاغت ہے!
ھ : ہیں سب انداز خون و لختِ جگر
ر : رہ برِ منزلِ حیاتِ بشر
ی : یہ سخن دم بہ دم ہے تازہ تریں!

غزلیات

O

صاف گوئی سے کیا لیا ہم نے
سب کو دُشمن بنا لیا ہم نے
تُم کو اُونچا اُٹھانے کی خاطِر
خُود کو نیچے گِرا لیا ہم نے
زِندگی سے نجات مِل نہ سکی
خُودکُشی کر کے کیا لیا ہم نے
غم کی جھولی میں ڈال کر خُوشیاں
غم کو اپنا بنا لیا ہم نے
تیز اِتنا چلے کہ مَوت کو بھی
چند قدموں پہ جا لیا ہم نے

رہ کے خاروں کے ساتھ گُل کی طرح
اَپنا دامن بچا لِیا ہم نے
وُہ ہمارے نہ بن سکے۔ لیکن
اُن کو اَپنا بنا لِیا ہم نے
جب کِسی سے بھی آسرا نہ مِلا
اَپنا ہی آسرا لیا ہم نے
فرض سجدوں کا جب اَدا نہ ہُوا
خُود کو پتھّر بنا لیا ہم نے
صِدق و عشق و وفا کے پھُولوں سے
دِل کا آنگن سجا لیا ہم نے
اپنے چھوٹوں کے ساتھ اُلجھ کے جِگر!
اپنا رُتبہ گھٹا لیا ہم نے

○

صبر کر صبر۔ اے دلِ ناداں!
جبر ہے چند روز کا مہماں
زندگی جب ہو مثلِ کوہِ گراں
کیا کرے آدمی کا عزمِ جواں؟
کوئی بھی مسئلہ سلجھتا نہیں
عقل نے اور کر دیا ناداں!
اور ارماں تو ہو گئے پورے
رہ گیا ایک موت کا ارماں
کون سمجھائے چارہ سازوں کو
درد ہے میرے درد کا درماں

قاتلوں کو دُعائیں دیتا ہُوں
ہو گئے پُورے دِل کے سَب اَرماں
کیجیے اُس کے غم کا اَندازہ
جو سمجھتا ہو قتل کو اِحساں
جی کے مَرتا ہے۔ مَر کے جیتا ہے
چین اِنساں کو یہاں نہ وہاں!
ہُوا جل جل کے خاک میرا وجُود!
کوئی سَمجھا نہ آنسوؤں کی زباں
یہ تجارت نہیں۔ محبّت ہے
سوچتا کیا ہے فائدہ، نُقصاں؟
سں میں اِنسانیت تلاش نہ کر
اَے جگر! یہ ہے آج کا اِنساں

○

خفا موت ہو۔ زِندگی رُوٹھ جائے
کِسی پر کبھی وقت ایسا نہ آئے
وُہ اپنی جفا پر نہ کیوں تلملائے؟
کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہ آئے!
محبّت نہیں۔ یہ تو اِک دِل لگی ہے
بُھلانے سے کوئی اگر بُھول جائے
گُزارے جو ہم نے ترے ساتھ رہ کر
مُصیبت میں وُہ دِن بہُت کام آئے
اگر مَیں دِیا ہُوں۔ جلائے وُہ مُجھ کو
اگر پھُول ہُوں تو گلے سے لگائے

یہ حقیقت ہے، یا فسانہ ہے
زندگی کو نہ ہم سمجھ پائے
غم کے کانٹوں کو لے کے، دُنیا پر
ہم نے خوشیوں کے پھول برسائے
ڈس رہی ہیں یہ دِل کو شام و سحر
کاش اِن حسرتوں کو موت آئے!
عُمر بھر اُلجھنوں میں رہ کے جِگرؔ!
گیسوئے وقت ہم نے سُلجھائے

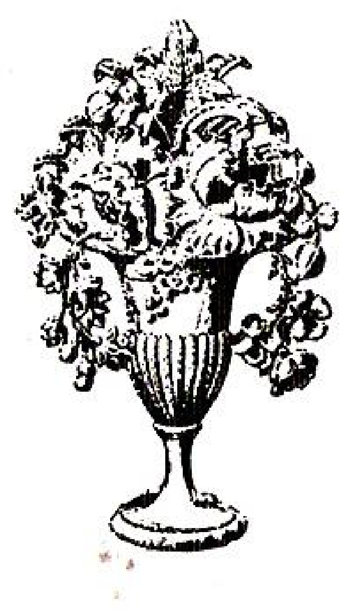

○

مِٹ نہ سکتا ہو جو کِسی کے لِئے
کبھی سوچے نہ دوستی کے لئے
دوستی خواہ دُشمنی کے لئے
آپ چُن لیں ہمیں کِسی کے لئے
خُودکُشی بُزدِلوں کا کام نہیں
چاہیئے دِل بھی خُودکُشی کے لئے
لوگ کِتنوں کے گھر جلاتے ہیں
اپنے اِک گھر کی روشنی کے لِئے
رات دِن پتھروں کی بارِش ہے
ایک دِل کی شکستگی کے لِئے

زِندگی کو نکھارتے ہیں اَلَم
یہ اندھیرے ہیں روشنی کے لئے

میرے ہنسنے کو آپ کیا جانیں
ہنستا ہُوں آپ کی خوشی کے لئے!

ہم نے کتنے پہاڑ کاٹے ہیں
اِک تمنّا کی مُورتی کے لئے!

دَیر و کعبہ ہیں کیوں اُداس اُداس؟
ابھی کچھ سر ہیں بندگی کے لئے

غم سے فُرصت اگر ملے ہم کو
ہم بھی سوچیں ذرا خوشی کے لئے

تیرے جلوے سے بھیک لیتے ہیں
چاند، تارے سبھی روشنی کے لئے

ہم کو خوشیوں کی کیا ضرورت ہے؟
غم ہی کافی ہیں زِندگی کے لئے!

عُمر بھر دَر بدَر بھٹکتا ہُوں مَیں
اَے جگر! مَیں اِک اجنبی کے لئے

❋

ہر دِل یہاں بے تاب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!
ہر آنکھ میں سیلاب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!

اِنسان میں تلخی کبھی دیکھی نہ تھی اِتنی
ہر بات میں زہراب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!

کل تک تو بڑے چین سے تھا آس کا پنچھی
آج اُڑنے کو بے تاب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!

آواز نکلتی ہی نہیں مُنہ سے کسی کے
ہر حلق میں سیماب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!

طوفان تو پہلے بھی کئی دیکھے ہیں دِل نے
اَب کے بڑا بے تاب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!

جو پھول ہے۔ کانٹے کی طرح سوکھ گیا ہے!
کانٹا جو ہے۔ شاداب ہے! معلوم نہیں کیوں!
جب ساقی و مے خانہ و مے کش ہیں سب اپنے
پھر شیشوں میں زہراب ہے۔ معلوم نہیں کیوں!
جس اشک کو خاطر میں کبھی لاتا نہ تھا دل
اب گوہرِ نایاب ہے! معلوم نہیں، کیوں!
اِک عرصے سے کشتی تو مری ڈوب چکی ہے
جو موج ہے۔ گرداب ہے! معلوم نہیں، کیوں!
پھولوں کی طرح جس کی مہک چاروں طرف تھی
شعلوں میں وہ پنجاب ہے! معلوم نہیں، کیوں!
مرگھٹ میں پڑی لاشوں کی مانند جگر! آج
ہر محفلِ احباب ہے! معلوم نہیں، کیوں!

❋

ہم سے نہ ہوئی پوری ترے غم کی ضرورت
باقی ہے ابھی دیدۂ پُرنم کی ضرورت

نفرت کی کڑی دھوپ میں جو شخص جلا ہو
اُس شخص کو ہے پیار کے موسم کی ضرورت

یہ دَور محبت کا سبق بھول چکا ہے
اِس دَور کو ہے نانکؒ و گوتمؒ کی ضرورت

نشتر سے کبھی بھرتے نہیں زخم دِلوں کے
اَے چارہ گرو! اِن کو ہے مرہم کی ضرورت

دِل کو جو بدلنا ہے تو پھر دِل سے بدلیئے
بے کار ہے اسکندرؒ و رُستمؒ کی ضرورت

سُنتے ہیں کہ وہ پیاس کی شدّت سے مَرا ہے
جس شخص کو ہر وقت تھی قُلزم کی ضرورت

جَب تک ہے فقیری ہی ترے دِل کی امیری
حاتم کی ضرورت ہے، نہ دِکرّم کی ضرورت

انگڑائیاں پھر دَردِ جگر لینے لگا ہے
پھر آ ہی پڑی ہے کِسی محرم کی ضرورت

دِل کہتا ہے رو رو کے جگر! اَب کے برس ہم
پوری کریں برسات کے مَوسم کی ضرورت

❋

دُنیا نے مرے دیدۂ پُرنم نہیں دیکھے
اِس کو ہے گُماں۔ مَیں نے کبھی غم نہیں دیکھے

اِنسان بہُت دیکھے ہیں شیطان سے بڑھ کر
اِنسان فرِشتوں سے بھی کُچھ کم نہیں دیکھے

آگے نہ بڑھیں میری ہنسی سے تِری نظریں
افسوس۔ کبھی تُو نے مرے غم نہیں دیکھے

خوشیاں بھی بہُت دیکھی ہیں اَے دِل! ترِے ہاتھوں
دِن ہم نے مُصیبت کے بھی کُچھ کم نہیں دیکھے

دِل کہتا ہے۔ سیدھی ہے بہُت راہِ محبّت
کیا اِس نے ترِے گیسُوؤں کے خم نہیں دیکھے؟

جی بھر کے یہ رونے بھی نہیں دیتے کِسی کو
اَے دیدۂ تر! تُو نے ابھی غم نہیں دیکھے

مغرُور جگر! کیوں ہے زمانے کی وفا پر؟
کیا تُو نے بدلتے ہُوئے مَوسم نہیں دیکھے؟

✺

کب پلٹ کر وُہ زمانہ آئے گا
آدمی جب آدمی بن جائے گا؟

پیڑ کو تُو کاٹ کر پچھتائے گا
پھول، پھل کیا؟ سائے سے بھی جائے گا!

توڑتے ہو آئینے کو کِس لئے؟
یہ جو دیکھے گا۔ دِکھاتا جائے گا

کیوں پریشاں ہو کوئی کل کے لئے؟
کل جب آئے گا تو دیکھا جائے گا

غم پر اِتراتا ہے کیوں تُو اِس قدر؟
زہر پی کر کتنے دِن لہرائے گا؟

اُڑ گیا پنچھی جو تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ملنے کے لئے رہ جائے گا!

ہوں مُبارک تُم کو دُنیا داریاں
یہ ہُنر ہم سے نہ سیکھا جائے گا

جب ہے ہم راہِ زمانہ اِنقلاب
پھر ہمارا بھی زمانہ آئے گا

پلکیں روکیں خاک اشکوں کا ہجُوم
تنکوں سے دریا نہ روکا جائے گا

کیوں مری ہستی مِٹانے کی ہے فِکر؟
یہ دِیا تو خُود بخُود بُجھ جائے گا

اَے جِگر! اُن کی جفا سے جی نہ ہار
اِس طرح تو جیتے جی مر جائے گا

بے تابیوں میں، اشکوں میں، نالوں میں گھر گئے!
یعنی ہم اپنے چاہنے والوں میں گھر گئے

جن کو نہ کچھ خبر تھی تری جلوہ گاہ کی
وہ لوگ مسجدوں میں، شوالوں میں گھر گئے

کل تک جو اک جہان کو کرتے تھے لاجواب
آج اپنے لاجواب سوالوں میں گھر گئے

جب اپنی بات کے لئے کچھ بھی رہا نہ پاس
ہم لوگ دوسروں کے حوالوں میں گھر گئے

آیا نہ خواب میں بھی کبھی اپنا کچھ خیال
ہم اِس قدر اندھیروں، اُجالوں میں گھر گئے

سب اہلِ ظرف راہِ عمل پر ہُوئے رواں
کم ظرف اِدھر اُدھر کے خیالوں میں گھر گئے

اُن کے قدم نہ چُوم سکیں منزلیں کبھی
راہی، جو اپنے پاؤں کے چھالوں میں گھر گئے!

ہم ڈالیوں سے ٹُوٹے ہوئے ایسے پھُول ہیں
جو سُوکھ کر کتابوں، رسالوں میں گھر گئے!

اُن کو خُوشی، میں اُن کی محبت میں قید ہُوں!
مُجھ کو خُوشی، وہ میرے خیالوں میں گھر گئے!

جن کو نصیب ہو نہ سکیں دِل کی مستیاں
وہ بدنصیب مے کے پیالوں میں گھر گئے!

اِک پل بھی رہ سکے نہ اکیلے ہم۔ اے جگر!
نکلے جو بھیڑ سے تو خیالوں میں گھ

زیرِ لب اُن کا مُسکرا دینا

دِل میں شہنائیاں بجا دینا

وُہ خُود اُن کا خیال کرتا ہے
جو نہیں جانتے دُعا دینا

جاننے والے! یہ بات یاد رہے
ہم کو آساں نہیں بُھلا دینا

اَے خُدا! بارِشِ کرم کے ساتھ
اِک سمُندر کا حَوصلا دینا

کہیں بے آسرا نہ کر دے ہمیں
اِس قدر تیرا آسرا دینا

ہَم کو رونے کی تو اجازت دو
اگر آتا نہیں ہنسا دینا

ہو کے ناکام نااُمید نہ ہُوں
تُو مُجھے اِتنا حَوصلا دینا

لاکھ حاتم ہو کوئی، لاکھ کرَن
کون دے سکتا ہے ترا دینا؟

سَو بہاروں کی ہے بہار جِگرؔ!
اُن کا رہ رہ کے مُسکرا دینا

✺

○

اِک نہتا آدمی تدبیر سے
کیا لڑے تقدیر کی شمشیر سے؟

مُسکرانا زیرِ لب ہر وقت ہی
کوئی سیکھے آپ کی تصویر سے

پھول سے پیش آئیے نرمی کے ساتھ
کاٹیے شمشیر کو شمشیر سے

دِل میں تیری یاد سے ہے روشنی
آنکھ روشن ہے تری تصویر سے

اَپنے دِیوانے کی بے تابی کا حال
پُوچھیے ٹُوٹی ہُوئی زنجیر سے

کیا بلا ہیں آج کل کے چارہ گر؟
زخم دِل کا دیکھتے ہیں تیر سے؟
ٹوٹ جاتا تیرے دِل کا آئینہ
ہم بہل جاتے اگر تصویر سے
جنم لے لیتا ہے تب اِک اور جُرم
جب سزا بڑھ جاتی ہے تقصیر سے
آپ آئے۔ مِٹ گئے رنج و الَم
مِٹ گئیں تاریکیاں تنویر سے
کام ہی اِنسان کی پہچان ہے
دیکھیئے معمار کو تعمیر سے
زِندگی بے کیف ہو کر رہ گئی!
اُڑ گئے سب رنگ اِس تصویر سے!
اِس سے میرا مان بھی ہے۔ نام بھی
کم نہیں میرا قلم شمشیر سے
دِل دُکھے جس سے کسی کا۔ اے جگر!
چُپ کہیں بہتر ہے اُس تقریر سے

❋

○

غم ہستی سے جو ڈر جاتے ہیں
مرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں

روٹھ جاتے ہیں کنارے جن سے
ڈوب کر پار اُتر جاتے ہیں

یاد کی ٹیس کہاں جاتی ہے؟
وقت سے زخم تو بھر جاتے ہیں

خوف کتنا ہے ہمارے اندر!
سانس کے شور سے ڈر جاتے ہیں!

گُل و شبنم کی طرح ہنس رو کر
سب کے دِن رات گُزر جاتے ہیں

چشمِ تر! ہم تری نادانی سے
اُن کی نظروں سے اُتر جاتے ہیں!

دِل شکستہ ہیں یہاں تک ہم لوگ
اِک ہی ٹھوکر سے بِکھر جاتے ہیں!

غم کا طوفان ہی نہیں کم ہوتا
چڑھ کے دریا تو اُتر جاتے ہیں

کتنے حسّاس طبیعت ہیں جِگرؔ
پھُول کی چوٹ سے مر جاتے ہیں!

✺

میں نے جس چیز کی تمنّا کی
بن کے حسرت وہ میرے دِل میں رہی!

کتنے بد ذوق ہو گئے ہیں لوگ؟
بات سُنتے نہیں محبّت کی!

ہم کنوئیں کی تلاش میں نکلے
جب نہ پانی کی بُوند پاس رہی!

اچھے ہونا نہ جب ہمیں چاہیں
کیا کرے چارہ گر کی چارہ گری؟

زندگی بھر نہ ہم کو چین مِلا
کوئی طُوفاں تھا، یا تمنّا تھی!؟

یُونہیں دِل کو فریب دیتا ہوں
اِس کی تقدیر میں کہاں ہے خُوشی؟

دونوں پہلُو ہیں زندگانی کے
اَبر کا سایہ، دُھوپ کی گرمی

مُسکرا کر مِلا کرو سب سے
کبھی مُرجھائے گی نہ دِل کی کلی

اَے جِگر! حسرتوں کے عالم میں
کام آئی نہ اپنی زندہ دِلی

زمانے سے ہمیں کر کے رَوانا

کرے گا یاد رو رو کر زمانا

محبّت کو بسا لو تُم دِلوں میں

نہیں اِس سے بڑا کوئی خزانا

صِلہ جو نیکیوں کا مانگتے ہیں

ہے اُن کی ذِہنیت کیا تاجرانا!

نہ جانے اُس کی کیا مجبوریاں تھیں

پڑا غم میں بھی جس کو مُسکرانا!

گُزر جاتا ہے آخر اِک نہ اِک دِن

بُرا ہو ۔ خواہ اچھّا ہو زمانا

شروع اِس کا نہ اِس کا خاتمہ ہے
ہماری زِندگی ہے وُہ فسانہ
عِنایت ہے یہ میرے دوستوں کی
مُجھے آتا نہ تھا آنسو بہانا
مٹائے گا کوئی کیا میری ہستی؟
حقیقت بن نہیں سکتی فسانا
کہاں تک تِنکے تم چُنتے رہو گے؟
بناؤ بجلیوں سے آشیانا
مَیں اُٹھ جاتا ہُوں تیرے دَر سے۔ لیکن
بتادے کوئی اَور ایسا ٹِھکانا
بہار اپنی ہے کیا؟ اپنی خزاں کیا؟
تُمہارا مُسکرانا، رُوٹھ جانا
وَفا کی قدر جَب ہوگی جہاں میں
کبھی تو آئے گا وُہ بھی زمانا
جسے دَرد اَے جِگر! تُو کہہ رہا ہے
محبّت کے لئے ہے تازیانہ

✺

شاید اُن کو ہماری یاد آئی
دِل میں بجنے لگی ہے شہنائی

دونوں ہاتھوں سے لُوٹتی ہے ہمیں
کِتنی ظالم ہے تیری انگڑائی!

اَب خیالوں نے گھیر رکھا ہے
راس آئی نہ ہم کو تنہائی!

وُہ بھی جلوا دکھایئے جس سے
خود تماشا بنے تماشائی

ہنس کے دار و رسن کو چُومتے ہیں
ہم خلُوص و وفا کے سودائی

موت بھی بے نیاز رہتی ہے
زِندگی بھی نہ ہم کو راس آئی

وُہ ہمیں خاکِ پا سمجھتے ہیں
یہ ہماری ہے عزّت افزائی

نُور ہی نُور ہے نِگاہوں میں
دِل میں کِس کی ہے جَلوہ فرمائی!؟

جِگر! اِن پتھّروں کی دُنیا میں
خاک ہوگی تیری یہ شنوائی؟

✺

میرا وجود سراپا گناہ گار رہا
ترے کرم پہ مجھے کتنا اعتبار رہا!

مِلاپ میں بھی تری ہم سے بے رُخی نہ گئی
تمام عمر ہمیں تیرا اِنتظار رہا

جہاں میں شور اُٹھا میرے اِک تبسّم پر
جہاں خموش تھا جب تک میں اَشک بار رہا

کِسی نے عہدِ وفا توڑ بھی دیا بے شک
تعلقات کا رِشتہ تو برقرار رہا

ہمارے دِل میں تری یاد بار بار آئی
ہمارے لَب پہ ترا ذِکر بار بار رہا

مجھے نہ غم تھا، نہ دُکھ تھا، نہ درد تھا کوئی
ترے قرار کی خاطر میں بے قرار رہا!
تری نگاہِ کرم جس پہ مہربان رہی
وُہ ذرہ۔ چاند، ستاروں سے ہم کنار رہا!
جہاں میں تیرے سوا جب کوئی بھی اَور نہیں
ہمارے قتل کا پھر کَون ذِمّہ دار رہا؟
کبھی نہ پیار کی صُورت کو دیکھ پاؤ گے
تُمہارے شیشۂ دِل پر اگر غُبار رہا
خزاں نے کر دِیا اِتنا فسُردہ دِل کہ ہمیں
بہاروں میں بھی بہاروں کا اِنتظار رہا
ترے تقاضوں کی نسبت سے زِندگی نہ مِلی
جِگر پر اَے غمِ دُنیا! ترا اُدھار رہا

✻

کوئی غم ہے، نہ شادمانی ہے
کِتنی بے کیف زِندگانی ہے!
اِبتدا ہے، نہ اِنتہا اِس کی
نامکمّل مِری کہانی ہے!
وُہ جفائیں ہمیں پہ کرتے ہیں
مہربانی سی مہربانی ہے!؟
دُکھ کے کانٹے بھی پھول ہیں سُکھ کے
پیار کی رُت بڑی سُہانی ہے!
میری آنکھوں میں تیرے جلوے ہیں
میرے لَب پر تِری کہانی ہے

اپنے سائے سے بھی وُہ ڈرتے ہیں!
بَدگُمانی سی بدگُمانی ہے!؟
زِندگانی کی ہر پریشانی
زِندگانی کے ساتھ جانی ہے
کون تیرے مزاج کو سمجھے؟
پَل میں ہے آگ۔ پَل میں پانی ہے!
پیار کو کِس لیئے مِٹاتے ہو؟
یہ بزرگوں کی اِک نشانی ہے
سُن کے تُم مُسکرائے جاتے ہو
دردِ دِل کیا کوئی کہانی ہے؟
خُونِ دِل کا وُہ سوچتے کب ہیں
شمعِ اُلفت جنہیں جَلانی ہے؟
دِل پہ وُہ ہاتھ رَکھ کے سُنتے ہیں
کِتنی دِل کُش مِری کہانی ہے!
اِس زمانے میں جی رہا ہے جِگؔر
آپ ہی کی یہ مہربانی ہے

○

اُن کے لئے خُدا سے دُعا مانگتے رہے
یعنی ہم آپ اپنی قضا مانگتے رہے

سب کچھ تھا جن کے پاس ہمارا دیا ہُوا
ہم اوڑھنے کو اُن سے رِدا مانگتے رہے!

سچ تو یہی ہے۔ اپنی بھلائی سے تھی غرض
ہم لوگ دُوسروں کا بھلا مانگتے رہے

ہم اپنے گھر کے چاند سِتاروں کو چھوڑ کر
باہر سے روشنی کو دِیا مانگتے رہے!

میں زِندگی سے تنگ ہُوں۔ یہ جان بُوجھ کر
وُہ میری زِندگی کی دُعا مانگتے رہے

اَوروں کو دَرد دینا فقَط جِن کا کام تھا
ہَم اُن سے دَردِ دِل کی دَوا مانگتے رہے

روشَن تھا جِن کے سائے سے سُورج بھی۔ وُہ بشَر
بُجھتے ہُوئے دِیوں سے ضیا مانگتے رہے!

اِک دُشمنِ وَفا سے اُمیدِ وفا رہی
ہَم بجلیوں سے ٹھنڈی ہَوا مانگتے رہے!

دو گز زمین کی تھی ضرُورت ہمیں۔ جِگؔر
لیکن ہَم اُس سے ارض و سما مانگتے رہے

❋

○

سوچیئے۔ کتنا سعادت مند وہ فرزند ہے
اپنے والد کے جو دشمن کا عقیدت مند ہے

وعدہ کر کے بھول جانا تیری عادت ہے۔ مگر
یاد رکھ یہ۔ موت اپنے وقت کی پابند ہے

کچھ ہے کڑوا۔ کچھ ہے میٹھا زندگی کا ذائقہ
کچھ پتہ چلتا نہیں۔ یہ زہر ہے یا قند ہے

بندہ پرور! آپ کی فیاضیاں بے کار ہیں
آپ سے محروم ہے وہ۔ جو ضرورت مند ہے

عقل سے چلتا نہیں ہے زندگی کا کارواں
خود کو جو ناداں سمجھتا ہے۔ وہ دانش مند ہے

چھینتا ہے جو خوشی اوروں کی۔ دولت مند کیا؟
بانٹتا ہے درد جو اوروں کا۔ دولت مند ہے

کیا بھلی صورت تری؟ اِس پر بُری عادت تری
ریشمی کپڑے میں یعنی ٹاٹ کا پیوند ہے!

دُور رکھتا ہے وہ خود کو ہر طرح کے رنج سے
ہم جسے دِیوانہ کہتے ہیں۔ وہ دانش مند ہے

کیا ہوا سے سبھی یہاں ڈرتے ہیں سب لوگ۔ اے جگر!
جس مکاں کو دیکھتا ہوں۔ اُس کی کھڑکی بند ہے

❋

دِل تڑپ کر اُنھیں تڑپاتا ہے
پیار میں لُطف بڑا آتا ہے

زِندگی کی نہیں کوئی مَنزِل
کارواں ہے کہ بڑھا جاتا ہے

سَب کی صُورت میں ہے تیری صُورت
تُو مُجھے سَب میں نَظر آتا ہے

آ گئی ہو گی مِری یاد اُنھیں
کَون آئینے سے شرماتا ہے؟

کب وُہ رُکتے ہیں کِسی مَنزِل پر
جِن کو چلنے میں مزا آتا ہے؟

میری نظروں میں سمانے والے!
مجھ سے چھُپ چھُپ کے کہاں جاتا ہے؟
اُن سے بہتر ہے تصوّر اُن کا
جب بُلاتا ہُوں۔ چلا آتا ہے
کوئی آساں ہے مِٹانا مجھ کو؟
اِس زمانے پہ ترس آتا ہے!
وُہ ہے نامحرمِ رازِ ہستی
جو بشر موت سے گھبراتا ہے
عِشق تو وادیِ دِل دار ہے۔ دِل!
تُو کہاں مجھ کو لئے جاتا ہے؟
آج اِنسان کے ہاتھوں ہی جِگر!
خُونِ اِنساں کا ہُوا جاتا ہے!

❋

○

تڑپا نہ دے جو دِل کو۔ وُہ آواز کچُھ نہیں

وُہ ساز، جِس میں سوز نہ ہو۔ ساز کچُھ نہیں!

وُہ حُسن کیا ہے۔ جِس کو نہیں پاسِ عِشق کا؟

جو دُور ہو نیاز سے۔ وُہ ناز کچُھ نہیں!

کب مَن کا روگ جاتا ہے تَن کے عِلاج سے؟

یہ میرے چارہ گر! مِرے دَم ساز کچُھ نہیں!

بھَر دے جو دِل کے زَخم۔ وُہ آواز خُوب ہے

کر دے جو دِل میں زَخم۔ وُہ آواز کچُھ نہیں!

چِڑیوں کو جو پناہ دے۔ وُہ باز، باز ہے

چِڑیوں کو جو عذاب دے۔ وُہ باز کچُھ نہیں۔

غُصّے کے ساتھ ہم سے وُہ کرتے ہیں گفت گو
باتیں ہیں دِل نشیں۔ مگر انداز کچھ نہیں!

شاہوں کے مقبروں پہ ذرا غور سے نظر
یہ مرتبہ، یہ شان یہ اعزاز کچھ نہیں!

اے شمعِ زندگی! تجھے دیکھا ہے غور سے
انجام کچھ نہیں۔ ترا آغاز کچھ نہیں!

نظروں میں رکھ مقام بھی۔ اے صاحبِ نظر!
ہو جائے گم ہواؤں میں جو باز۔ کچھ نہیں!

غم میں نہ دِل شکستہ ہوئے ہم یہ سوچ کر
مِضراب سے شکستہ ہو جو ساز۔ کچھ نہیں

دادِ خلوص مانگ نہ دُنیا سے۔ اے جگر!
اِس کی نظر میں دعوتِ شیراز کچھ نہیں!

صاحبِ دَولت ہے جو۔ اُس کو اگر راحت نہیں
راحت اُس کو بھی نہیں جو صاحبِ دَولت نہیں
دُوسروں کی شوخیِ رَفتار کو نظروں میں رکھ
آگے بڑھنے کی اگر، تجھ میں صلاحیت نہیں
لوگ مِٹّی میں مِلا دیتے ہیں آنسُو کی طرح
آج کی دُنیا میں اِنساں کی کوئی قیمت نہیں
زِندگی کی نِعمتوں سے کِس قدر محرُوم ہے
وُہ، جو کہتا ہے۔ مِرے دِل میں کوئی حَسرت نہیں!
آنسُوؤں کو خُشک کر دیتے ہیں شُعلے درد کے
رونے والے! تیرے دِل میں درد کی شِدّت نہیں

یہ جہاں کچھ بھی نہیں اِک دُھندلے شیشے کے سِوا
جو دِکھائی دیتا ہے اِس میں۔ وُہ اَصلیّت نہیں
اَپنی صُورت دیکھ کر حُسن اِتنا اِتراتا ہے کیوں؟
رہنے والی ایک صُورت پر کوئی صُورت نہیں!
آدمی کچھ بھی نہیں ہے آدمیّت کے بغیر
پھُول وُہ کیا پھُول ہے۔ جِس پھُول میں نکہت نہیں؟
آندھیوں کا شور بھی ہے۔ سردیوں کا زور بھی
دیکھنے میں دِل کوئی صحرا نہیں۔ پربت نہیں
دَرد لے لو دردمندوں کا اگر لینا ہے کچھ
اِس سے بڑھ کر اَور دُنیا میں کوئی دَولت نہیں
اہلِ عزّت میں تِری عزّت بہت ہے۔ اے جگر!
وُہ تجھے سمجھیں گے کیا۔ جن کی کوئی عزّت نہیں؟

❋

○

کتنے مغرور ہو گئے ہیں آپ؟
حق سے سبھی دور ہو گئے ہیں آپ!

آپ کو کس طرح کوئی دیکھے؟
جلوۂ طور ہو گئے ہیں آپ!

ہم کو بدنام کر کے دنیا میں
کتنے مشہور ہو گئے ہیں آپ!

سب کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں
خوب دستور ہو گئے ہیں آپ؟

میری حسرت بھری نگاہوں سے
کچھ تو مجبور ہو گئے ہیں آپ

کیا کرشمہ ہے سامنے آکر
ہم سے مستور ہو گئے ہیں آپ

میری ہستی کو کر کے تیرہ و تار
نار سے نور ہو گئے ہیں آپ

جتنے مجبور ہو گئے ہیں ہم
اُتنے مغرور ہو گئے ہیں آپ

آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکتے نہیں
کتنے معذور ہو گئے ہیں آپ؟!

آپ کا عکس ہوں میں غیر نہیں
مجھ سے کیوں دور ہو گئے ہیں آپ؟

رستے رہتے ہیں صبح و شام۔ جگرؔ!
خود ہی ناسور ہو گئے ہیں آپ!

○

جو بشر تیری عنایت کی نظر تک پہنچے
ہو کے مقبول وُہی شمس و قمر تک پہنچے

رُخ ہواؤں کا بھی دیکھ۔ آگ لگانے والے!
کوئی چنگاری نہ اُڑ کر ترے گھر تک پہنچے

گھیر رکھا ہو زمانے کی نظر نے جس کو
کس طرح پھر وُہ نظر میری نظر تک پہنچے

کیا ہو اندازہ مرے غم کا جہاں والوں کو؟
دِل سے آنسو نہ کبھی دیدۂ تر تک پہنچے!

رنگ تصویرِ محبّت کے اُڑے جاتے ہیں
کاش۔ آواز مری اہلِ نظر تک پہنچے!

مے کدہ ہو کہ حرم ہو کہ صنم خانہ ہو
راہ بہتر ہے وُہی۔ جو ترے در تک پہنچے

اہلِ ساحل کو مِلا کچھ بھی نہ جُز گردو غُبار
غرقِ دریا جو ہُوئے۔ لعل و گُہر تک پہنچے

اِک ثُریّا کی توجّہ ہی مجھے کافی ہے
سب سِتارے نہ کبھی سب کی نظر تک پہنچے

گُلشنِ دِل سے بہاروں کو نہ جانے دُوں گا
بات بے شک یہ جگر! خُونِ جگر تک پہنچے

❋

کیا کرشمے تھے رہ نماؤں میں؟
لوگ بٹتے گئے، خداؤں میں!
لیجیے درس اُن چراغوں سے
رقص کرتے ہیں جو ہواؤں میں
زندگی وہ ہے۔ جو گزر جائے
خوش جمالوں میں، خوش اداؤں میں
وہ جھجک کر جفائیں کرتے ہیں۔
کچھ کمی ہے مری وفاؤں میں
مسکرائے تھے وہ یونہیں اک دن
کیف ہے آج تک فضاؤں میں

پلٹ آئے بہا کے ہم دو اَشک
لاشیں جلتی رہیں چِتاؤں میں

زِندگی کی بِنا ہے سانسوں پر
شمع یہ جلتی ہے ہواؤں میں

وُہ مُخالِف ہیں۔ دِل مُخالِف ہے
ہو چُکا اَب اَثر دُعاؤں میں!

دِل پہ سائے غموں کے بڑھنے لگے!
چاند چُھپنے لگا گھٹاؤں میں!

خیر گزُری۔ جو وُہ نہ جان سکے
ہم بُہت خوش رہے جفاؤں میں

وُہ دِیا ہُوں۔ جلا کر اُس نے جِسے
رکھ دِیا سر پھِری ہواؤں میں

سانس بھی ہم نہ لے سکے کھُل کر
کِس قدر تھی گھُٹن فضاؤں میں!

جگّر! اکثر اُداس رہتا ہُوں
زہر آلُودہ سی ہواؤں میں!

✺

ہو رہا ہے یہ کیا بہاروں میں؟
پھول بکھرے ہیں رہ گزاروں میں!

ہم سے چھپ چھپ کے چاند تاروں میں
باتیں کرتے ہیں وہ اشاروں میں

میرا حُسنِ نظر بھی شامل ہے
آپ کے دِل نشیں نظاروں میں

ایسی موجوں سے بچنا، نا مُمکِن
چھپ کے رہتی ہیں جو کناروں میں

تیرے جلووں کو دیکھ لیتا ہوں
پھول، کلیوں میں، چاند، تاروں میں

دلِ رنگیں مزاج کے صدقے
عُمر گُزری مری بہاروں میں

یہ شرف پھول ہی کو حاصل ہے
ورنہ ہنستا ہے کون خاروں میں؟

پردہ کرنا تو سیکھ لے۔ اے دوست!
چُھپتا ہے۔ وُہ بھی چاند تاروں میں؟

کل جو شامل تھے قاتلوں میں جگرؔ!
آج بیٹھے ہیں سوگ واروں میں

✱

تُم جو پُوچھو گے ۔ غضب ہو گا۔ قیامت ہو گی!
ہَم ہیں جِس حال میں ۔ رہنے دو۔ عِنایت ہو گی

دَردِ دِل اُس نے دِیا تھا ہمیں تڑپانے کو
کیا خبر تھی اُسے ۔ اِس دَرد سے راحت ہو گی؟

جِس نے ٹھکرایا ہے اِس دہر کی ہر دَولت کو
اُس کی نظروں میں کوئی اَور ہی دَولت ہو گی

ہم جفاؤں پر اگر ترکِ وَفا کر بیٹھے
سوچ لے یہ بھی ۔ ترے دِل کی جو صُورت ہو گی

غمِ جہاں بھر کے مجھے دے تو دیٔے ہیں۔ لیکن
دیکھ لے تیری امانت میں خیانت ہو گی

ہو سکے گا نہ جُدا ہو کے جُدا بھی مجھ سے
میری نظروں کے مُقابِل تری صُورت ہو گی

ظُلم سہنے کے گُنہ گار ہمیں ٹھہریں گے
پُوچھ تاچھ اُن سے نہ کچھ روزِ قیامت ہو گی

کھینچ سکتا ہے اُنہیں جذبۂ دِل تو۔ لیکن
ہم سے برداشت نہ توہینِ محبّت ہو گی

اَے جِگر! وُہ بھی زمانہ کبھی ہم دیکھیں گے
جب زمانے میں محبّت ہی محبّت ہو گی

کِس قدر بندے کو حالات بدل دیتے ہیں
سبھی اِیمان، چلن، ذات بدل دیتے ہیں

ختم کر کے بھی نہیں چھوڑتے غم اِنساں کو
صِرف قیدی کی حوالات بدل دیتے ہیں

آدمی وُہ نہیں۔ حالات بدل دیں جِن کو
آدمی وُہ ہیں۔ جو حالات بدل دیتے ہیں

تم خیالات کو کچھ سوچ کے لانا دِل میں گر
چلن اِنساں کا خیالات بدل دیتے ہیں گر

جب سمجھ لیتے ہیں وُہ۔ کوئی نہیں اِس کا جواب
باتوں باتوں میں مری بات بدل دیتے ہیں

اَدَب آداب کی رسموں کو نئی نَسل کے لوگ
کہہ کے فرسُودہ خیالات بَدل دیتے ہیں

دِل کا کِتنا ہی ہو مَضبُوط کوئی شخص مگر
پھر بھی حالات، خیالات بَدل دیتے ہیں

دِل رُبا بول ترے، رُوح فزَا جلوے ترے
مرا عالَم، مرے جذبات بَدل دیتے ہیں

اُن کے دِن رات بدلتے ہوئے دیکھے نہ جگرؔ!
اِک زمانے کے جو دِن رات بَدل دیتے ہیں

✺

کتنی گردِ ملال ہے؟ پیارے!
سانس لینی مُحال ہے! پیارے!

کِس کو اچھّا کہیں؟ بُرا کِس کو؟
ایک ہی سَب کی چال ہے۔ پیارے!

دُشمنی پر بھی جان دیتا ہُوں
دوستی کا کمال ہے! پیارے!

پہلے ہی سوچ لے جواب اِس کا
زندگی کا سوال ہے۔ پیارے!

اِنحراف اِتنا؟ پھر بزرگوں سے ہی؟
تُو ابھی نونہال ہے۔ پیارے!

وقت کے ساتھ چل نہ پائے گا تُو
تیز تر اِس کی چال ہے۔ پیارے!
حالِ دِل کہیئے بھی کسی سے تو کیا؟
ایک سا سب کا حال ہے۔ پیارے!
کِسی ظالم کو کہہ سکے ظالم
کِس کی اِتنی مجال ہے؟ پیارے!
کیا ہیں ہم۔ کیا ہماری ہستی ہے؟
مَحض خواب وخیال ہے! پیارے!
مَوت بھی جس کو توڑ سکتی نہیں
زِندگی ایسا جال ہے۔ پیارے!
اِس طرح کِتنے دِن جیئں گے ہم؟
ایک لمحہ بھی سال ہے۔ پیارے!
کون ہے ایک سا زمانے میں؟
اَپنا اَپنا خیال ہے۔ پیارے!
جِگر اَچھا ہے یُوں تو شاعِر بھی
آدمی باکمال ہے۔ پیارے!

✵

آرام دِل و جاں تھا کبھی پیار کا سایہ
اَب تو ہے وُہ گرتی ہُوئی دِیوار کا سایہ

اَے دوست ! ابھی خام تِرا حُسنِ نظر ہے
کم پھُول کے سائے سے نہیں خار کا سایہ

ہم سائے اَب اِتنا بھی گوارا نہیں کرتے
مِل جائے جو دِیوار سے دِیوار کا سایہ

تُم کرشن کنھیّا کی طرح خُود کو بناؤ
سانپوں سے اگر چاہتے ہو پیار کا سایہ

خَیرات اگر آپ اُسے دے نہیں سکتے
دَرویش کو دے دیجیے دِیوار کا سایہ

حسیں شاخوں پہ جیسے سُرخ کلیاں مُسکراتی ہوں
کسی کے سُرخ لب ایسے تبسّم ریز رہتے ہیں

زمانے کی محبّت میں چُھپے ہیں سیکڑوں دھوکے
یہاں شیریں کے پردے میں کئی پرویز رہتے ہیں

سلیقہ زندگی کا سیکھ تو اُن خاص پیڑوں سے
خزاں میں بھی بہار آسا جو نکہت بیز رہتے ہیں

ہمارے آنسوؤں کا جوش کم ہونے نہیں پاتا
یہ وہ دریا ہیں۔ جو ہر دم تلاطُم خیز رہتے ہیں

محبّت کی جگہ نفرت مکیں ہے سب کے سینوں میں
یہ اَمرت کُنڈ اِسی سَم سے جگر! لب ریز رہتے ہیں

○

ہزار دعوے کرے آفتاب ۔ کیا ہوگا؟
تُو لاجواب ہے ۔ تیرا جواب کیا ہوگا؟

کسی سے پیار کے دو بول بھی نہیں ملتے
زمانہ اِس سے زیادہ خراب کیا ہوگا!؟

ترے مزاج کی گرمی سے جل رہے ہیں دِل!
اِس آفتاب سے تیز آفتاب کیا ہوگا؟

تمام عُمر جلا ہُوں میں غم کے شُعلوں میں!
مجھے حیات سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا؟

نگاہ سوز نظاروں کو کیسے دیکھیں گے ہم؟
اگر وہ ہو بھی گئے بے نقاب۔ کیا ہوگا؟

بدل کے رکھ دیئے دِل آج کے زمانے نے
اِس انقلاب کے بعد انقلاب کیا ہوگا؟

جو دِن کو چاند بنے اور رات کو سُورج
اُس آدمی سے کوئی فیض یاب کیا ہوگا؟

تو وُہ غزل ہے سبھی شعر جس کے دِلکش ہیں
مِری نظر سے ترا انتخاب کیا ہوگا؟

سوالِ دید لیئے جا رہا ہُوں پھر بھی۔ جگر!
یہ جانتے ہُوئے اُن کا جواب کیا ہوگا!

❋

نظمیات

پیارے وطن

اے دیارِ ہند! اے پیارے وطن!
دِل کے ارماں! آنکھ کے تارے وطن!
تُو ہمارے خواب کی تعبیر ہے
آرزوؤں کی حَسیں تصوِیر ہے!
تیری دھرتی پر ہیں ایسے باکمال
جو ہیں اَپنے فن میں آپ اپنی مثال
تیرے ذرّوں میں ہیں وُہ تابانیاں
جن پہ قرباں چاند، سُورج کہکشاں!
خطّۂ کشمیر تیرا خُوب ہے!
اِک جہاں کا دِل رُبا محبُوب ہے!

تیرے بانکے نوجوانوں کا شباب
بے نظیر و بے مثال و لاجواب!
کوہ تیرے پُر شکوہ و پُر وقار
آسماں کی رفعتیں جن پر نثار!
اے وطن! تیری وہ ارضِ پاک ہے
آسمانوں پر بھی جس کی دھاک ہے!
لوگ کہتے ہیں جنہیں گنگ و جمن
کوثر و تسنیم ہیں وہ اے وطن!
علم میں بھی تو کسی سے کم نہیں
تیری شہرت کا کہاں پرچم نہیں!
دیکھ کر اوروں کو آہِ سرد میں
ڈوب جاتا ہے ترا دِل درد میں
اے وطن! تُو نے کیے ہیں ایسے کام
ساری دُنیا میں ہے تیرا احترام
سیکڑوں اوصاف ہیں تجھ میں نہاں
اِک زباں سے ہو نہیں سکتے بیاں
بس یہی اپنی دُعا ہے اے وطن!
رات دِن کھلتے رہیں تیرے چمن

مہاتما گاندھی
عقیدت کے پھول

اے اہنسا کے پُجاری! اے پرستارِ وفا!
جان میری تجھ پہ قُرباں دِل مرا تجھ پر فِدا
کِس طرح تیرے کمالوں کا کِسی سے ہو بیاں
تو خُلوص و مہر واُلفت کا تھا بحرِ بے کراں
پاس تیرے تخت تھا کوئی، نہ کوئی تاج تھا
اِک زمانے کے دِلوں پر پھر بھی تیرا راج تھا
اِس طرح چھوٹے بڑے سے آشنائی تھی تجھے
باپ کو ہوتی ہے اُلفت جِس طرح اولاد سے
تو تڑپ اُٹھتا تھا کِتنا دُوسروں کے درد سے
آگ لگ جاتی تھی دِل میں اُن کی آہِ سرد سے
مذہب و ملّت نہ مال وزر، نہ ماہ و سال سے
آدمی کو تُو پرکھتا تھا فقط اعمال سے
کام لیتا تھا نہ تیر و خنجر و شمشیر سے
دُشمنوں کو بس میں کر لیتا تھا تُو تقریر سے
عُمر کا کتنی ہی مضبُوطی سے تھاما تُو نے ہاتھ
عُمر ساری کاٹ دی بس اِک لنگوٹی ہی کے ساتھ

ظاہر و باطن میں تیرے فرق ہوتا تھا کہاں؟
ہم نوا دیکھے ہمیشہ تیرا دِل، تیری زباں

یہ سبق تُو نے دیا۔ جب ہے خُدا کی ایک ذات
اُس کے بندوں کو الگ پھر کیوں کرے یہ ذات پات؟

تیرے لب پر یہ سُنہری قول تھا شام و سحر
"خاک جینے ہیں۔ جو جیتے ہیں پرائی آس پر!"

خُوب تھا کہنا ترا اِک اِک جوان و پیر سے
"دیش کی مٹّی ہے بہتر غیر کی اِکسیر سے"

جیتے جی ہی تھا نہ سب کے دِل میں تیرا احترام
آج بھی کرتی ہے دُنیا تیری تُربت کو سلام

بعد اُٹھ جانے سے کے تیری ذات پائندہ ہُوئی
موت تجھ کو مارنے کے بعد شرمندہ ہُوئی!

آج ہر چھوٹے بڑے کے لَب پہ تیرا نام ہے
اَور سب کے دِل کو تیری یاد ہی سے کام ہے

ہند والو! نام لینا، یاد کرنا ہے فضُول
تم جو اپناتے نہیں ہو باپُو گاندھی کے اصُول

یہ گذارش ہے مری۔ اپنا لو تم اُس کے اصُول
سب سے بڑھ کر بس یہی اُس کو عقیدت کے ہیں پھُول

❋

اے جواہر! اے امیرِ کارواں!

اے جواہر! تیری تربت کو سلام
تیری عظمت، تیری حشمت کو سلام
تو تھا باغِ ہند کا ایسا گلاب
آج تک ناپید ہے جس کا جواب
یاد سب کو ہے ترا وہ پنچ شیل
منزلِ انسانیت کا سنگِ میل
یہ ترا ادنیٰ سا تھا اک معجزا
امن سے تسخیر عالم کو کیا
تو تھا واقف جنگ کے انجام سے
اس لئے نفرت تھی اس کے نام سے

جنگ کے سیلاب جتنے بھی اُٹھے
تُو نے روکے اَمن کی دِیوار سے
مسئلہ سُلجھا نہ جو شمشیر سے
تُو نے سُلجھایا اُسے تقریر سے
رُعب تھا اِتنا تری گفتار کا
خشک ہو جاتا تھا دم تلوار کا
ہند کا تُو گُلشنِ بے خار تھا
تیری ہستی سے ہر اِک کو پیار تھا
اِک جہاں پر تیرے جوہر تھے عیاں
تیرا لوہا مانتا تھا اِک جہاں
کِتنا پُر تاثیر تھا تیرا کلام
سر دُھنا کرتے تھے سُن کر خاص و عام
معرکے ایسے کیے تھے تُو نے سر
ہند کو تھا ناز تیری ذات پر
اے جواہر! اے امیرِ کارواں!
یاد کرتا ہے تجھے سارا جہاں

✺

ہندی سپاہی

اے وطن کے وِیر سینک! اے وطن کے پاس بان!
شان بھارت کی ہے تجھ سے۔ تجھ سے بھارت ہے مہان!

●

رزم گاہوں میں ترا جوہر دکھانا یاد ہے
گولیوں کے سائے میں بھی مسکرانا یاد ہے
خون سے دشمن کے پیاس اپنی بجھانا یاد ہے
یاد ہے سارے جہاں کو وہ فسانا یاد ہے

اے وطن کے وِیر سینک! اے وطن کے پاس بان!
شان ہے بھارت کی تجھ سے۔ تجھ سے بھارت ہے مہان!

تیر پرتھوی راج کا، پرتاپ کی تلوار ہے
تو شواجی کا چلن، جھانسی کا تو کردار ہے
تو لپک شعلے کی ہے۔ بجلی کی تو رفتار ہے
تیری طاقت، تیری جرأت سے کسے انکار ہے

اے وطن کے وِیر سینک! اے وطن کے پاس بان!
شان ہے بھارت کی تجھ سے۔ تجھ سے بھارت ہے مہان!

مقتول کی طرف تو کوئی دیکھتا نہیں
قاتل کا اِک زمانہ طرف دار ہو گیا

اپنے، پرائے کی مجھے پہچان ہو گئی
میں گردشوں میں رہ کے بھی ہشیار ہو گیا

اَوروں پہ سایہ کرتا رہا عُمر بھر جو شخص
خُون اُس کا زیرِ سایۂ دِیوار ہو گیا!

نادان دِل کی ایک تمنّا کے واسطے
میں سَو مُصیبتوں میں گرِفتار ہو گیا!

کیا حال اپنی گردشِ تقدیر کا کہیں
ہر دَر ہمارے واسطے دِیوار ہو گیا!

اَب دوستی کی بات سُنے کون؟ اے جگؔر!
ہر شخص دُشمنی کا طرف دار ہو گیا!

❋

یہ جلوے لالہ و گُل کے جو دِل آویز رہتے ہیں
یقیناً وہ پسِ پردہ تبسّم ریز رہتے ہیں

تمہارے شہر میں گھر سے نکلنا سخت مُشکل ہے
جدھر دیکھو۔ جہاں دیکھو۔ وہیں چنگیز رہتے ہیں

کسی کے لُطف کا بادل گزر جاتا ہے بے برسے
یہ جھونکے بادِ صرصر کے یُونہیں کچھ تیز رہتے ہیں

کبھی خالی نہیں رہتیں مری آنکھیں سرشکوں سے
یہ وُہ ساغر ہیں جو شام و سحر لبریز رہتے ہیں

حُسن

حُسن ہے نام بے وفائی کا
حُسن ہے نام خُود نُمائی کا
حُسن ہے نام بے نیازی کا
حُسن ہے نام فِتنہ سازی کا
حُسن ہے نام بھی جوانی کا
زِندگی کی حَسِیں کہانی کا

آسماں پر جو چاند تارے ہیں
حُسن کے دَم سے اِتنے پیارے ہیں
دِل میں اِس کا جو دھیان آجائے
تنِ بے جاں میں جان آجائے

سو گلاب اِس کے اک تبسّم میں
سو رباب اِس کے اِک تکلّم میں
دِل و جاں میں اُمنگ بھرتا ہے
زِندگانی میں رنگ بھرتا ہے
اگر اِس کی نِگاہ ہو جائے
بے نوا بادشاہ ہو جائے
جس کو یہ آئینہ دِکھاتا ہے
اپنی صُورت وُہ بھُول جاتا ہے
کبھی شُعلے سے گرم تر ہے یہ
کبھی غُنچے سے نرم تر ہے یہ
اِس کی اِک اِک ادا؛ خُدا کی پناہ!
اِس کی اِک اِک جفا، خُدا کی پناہ!
بجلیاں اِس سے خوف کھاتی ہیں!
آندھیاں اِس سے بھاگ جاتی ہیں
یہ ہے ظالم فلک کا بھی اُستاد
وُہ سِتم گر ہے۔ یہ سِتم ایجاد
خم کِسی کی جبینِ ناز کرے
جس کو چاہے۔ یہ سرفراز کرے
صِرف مُفلس نہ رام اِس نے کِئے
بادشہ بھی غُلام اِس نے کِئے

جس بشر کو اُبھارتا ہے یہ
اُس کو بے موت مارتا ہے یہ
جس کے دِل کو لگائے بیماری
کبھی اُس کی کرے نہ دِل داری
اِس کی اُلفت کا دَم جو بھرتا ہے
جَلد دُنیا سے کُوچ کرتا ہے
جس نے بھی اِس سے کی وفاداری
اُسی سے اِس نے کی ریاکاری
ہر طرف اِس کا رُعب طاری ہے
ہر طرف اِس کا سِکّہ جاری ہے
دین اِس کا، نہ ہے کوئی اِیمان
اِک جہاں پھر بھی اِس پہ دیتا ہے جان
حُسن سے خاص و عام ڈرتے ہیں
حُسن کو سب سلام کرتے ہیں

عشق

عِشق ہے نام دِل کی مستی کا
عِشق ہے نام حق پرستی کا
عِشق ہے نام بُردباری کا
عِشق ہے نام جاں نِثاری کا
عِشق ہے نام تنگ دستی کا
عِشق ہے نام فاقہ مستی کا
عِشق، مکروریا سے ڈرنے کا نام
عِشق صِدق وصفا پہ مرنے کا نام
عِشق اِدھر کوہ کن کا عزم جواں
عِشق اُدھر قیس کا غم پنہاں

عشق، گوتمؔ کی روشنی کی نوید
عشق نانکؔ کا نعرۂ توحید
عشق ہی بانسری کنہیّا کی
عشق ہی کائنات میراؔ کی
عشق ہی چاہ مصطفےٰ کی ہے
عشق ہی بندگی خدا کی ہے
وُہ خلوص اِس کا۔ وُہ وفا اِس کی
اِبتدا ہے، نہ اِنتہا جس کی
تازگی اِس میں ہے بہاروں کی
دِل کشی اس میں ہے نظاروں کی
مہر میں روشنی اِسی سے ہے
چاند میں چاندنی اِسی سے ہے
آنکھ میں ہے جو نور۔ اِسی کا ہے
دِل میں ہے جو سرور۔ اِسی کا ہے
اِسی سے زندگی کے میلے ہیں
ورنہ دُنیا میں سب اکیلے ہیں
کبھی کانٹوں پہ مُسکراتا ہے یہ
کبھی پھولوں پہ سٹپٹاتا ہے یہ
سوز بن کر دِلوں میں پلتا ہے
خون بن کر رگوں میں چلتا ہے

بن کے شبنم خود آپ روتا ہے
پھول کلیوں کے چہرے دھوتا ہے
دردمندوں کے کام آتا ہے
حق پسندوں کے کام آتا ہے
جب کسی زندگی میں آتا ہے
آگ پانی میں یہ لگاتا ہے
مال و دولت سے دُور رہتا ہے
جاہ و حشمت سے دُور رہتا ہے
یہ اگر اپنی موج میں آئے
سلطنت، تخت، تاج ٹھکرائے
جس پہ یہ مہربان ہو جائے
اُس کا سارا جہان ہو جائے
عشق سے روزگار چلتا ہے
زیست کا کاروبار چلتا ہے

زِندگی

زِندگی پھول بھی ہے۔ کانٹا بھی
زِندگی نغمہ بھی ہے۔ نَوحا بھی
زِندگی دھوپ بھی ہے۔ سایا بھی
زِندگی کوہ بھی ہے۔ دَریا بھی
آدمی عُمر بھر رہا حَیران!
زِندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

یہ مُصیبت بھی ہے۔ یہ نِعمت بھی
یہ جہنّم بھی ہے۔ یہ جنّت بھی
ایک زحمت بھی ہے۔ یہ رَحمت بھی
ایک ذِلّت بھی ہے۔ یہ عِزّت بھی
آدمی عُمر بھر رہا حَیران!
زِندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

یہ ہے شَیطاں بھی۔ یہ فرِشتا بھی
یہ ہے قاتل بھی۔ یہ مسِیحا بھی
یہ ہے طُوفاں بھی۔ یہ کِنارا بھی
یہ ہے خنجر بھی۔ یہ شگُونا بھی
آدمی عُمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

کبھی گوتم ہے یہ۔ کبھی پرویز
کبھی حاتم ہے یہ۔ کبھی چنگیز
یہ کبھی آرزوئے دِل آویز
یہ کبھی حسرتِ ستم آمیز
آدمی عمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

ابرِ گریاں ہے یہ کسی کے لئے
برقِ خنداں ہے یہ کسی کے لئے
راحتِ جاں ہے یہ کسی کے لئے
غم کا ساماں ہے یہ کسی کے لئے
آدمی عمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

کوئی سر پر اِسے بٹھاتا ہے
کوئی ٹھوکر اِسے لگاتا ہے
کوئی اِس سے نظر مِلاتا ہے
کوئی اِس سے نظر چُراتا ہے
آدمی عمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!

زخم بنتی ہے یہ ۔ کبھی مرہم
شعلہ بنتی ہے یہ ۔ کبھی شبنم
غیر بنتی ہے یہ ۔ کبھی ہمدم
آگ پانی کا ہے یہ اک سنگم
آدمی عمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!
اک دلہن کی کبھی شوخیاں اس میں!
ایک بیوہ کی کبھی فغاں اس میں!
قہقہوں کی کبھی داستاں اس میں!
آنسوؤں کا کبھی کارواں اس میں!
آدمی عمر بھر رہا حیران!
زندگی کی نہ ہو سکی پہچان!
ہم کو بے شک بہت ستاتی ہے!
ہم کو بے شک بہت رلاتی ہے!
آگ کے شعلوں میں بٹھاتی ہے!
خاک کے ڈھیروں میں دباتی ہے!
پھر بھی یہ زندگی ہماری ہے
سو دل و جاں سے ہم کو پیاری ہے

حضرت عیسیٰؑ

یاد رکھیئے حضرتِ عیسیٰؑ کے قول
رنج میں بھی مسکرایا کیجیئے

شمع کی مانند جلتے رہیئے خود
بزمِ دنیا میں اُجالا کیجیئے

جس سے پہنچے دوسروں کے دل کو ٹھیس
بات وہ لب پر نہ لایا کیجیئے

ہاتھ اُٹھائے آپ پر جو آدمی
اُس کے حق میں ہاتھ اُٹھایا کیجیئے

بنیئے ہر بے آسرے کا آسرا
اور بے چارے کا چارا کیجیئے

یاد رکھیئے دوسروں کی نیکیاں
اپنی نیکی بھول جایا کیجیئے

خود اُٹھا کر اپنے کاندھے پر صلیب
وقتِ آخر مسکرایا کیجیئے

داستانِ اُردُو

مَلال، رَنج، غَم اَب داستانِ اُردُو ہے!
شکستہ حال، فسُردہ زبانِ اُردُو ہے!

دِیے ہوں جس نے زمانے کو لاجواب گُلاب
سِتم ہے شعلوں میں وُہ گُل ستانِ اُردُو ہے!

وَفا کے گیت بغیر اِس کے گا نہ پاؤ گے
مِٹا رہے ہو جسے۔ وُہ زبانِ اُردُو ہے

زمانے بھر کی ضرورت جو کر سکے پوری
نہیں ہے اَور کوئی۔ وُہ دُکانِ اُردُو ہے

وطن کے نغمے سَرِ دار اِس نے گائے ہیں
غَضب ہے۔ پھر بھی وطن بدگُمانِ اُردُو ہے!

سِتارے بن کے چمکتے ہیں اس کے سب الفاظ
کوئی مِٹائے گا کیا؟ یہ زبانِ اُردُو ہے!

تم اِس کو روک رہے ہو عبث جہاں والو!
تمہیں خبر بھی ہے۔ یہ کاروانِ اُردُو ہے؟

قطعات

رستے چلنا ہمیں سکھاتے ہیں
ہم ہیں۔ رستوں کو بھول جاتے ہیں
ہم کو پہنچاتے ہیں وہ منزل تک
ہم اُنہیں پیچھے چھوڑ آتے ہیں

بھول کر رنج و غم میں نامِ خُدا
ساغر و مے مُدام لیتے ہیں
دِل کی تاریکیاں مِٹانے کو
ہم چراغوں سے کام لیتے ہیں

○

اِن کو حاصل ہے ایک اِک نعمت
پھر بھی کتنے اُداس ہیں یہ لوگ!
اِن کی تسکین ہو نہیں سکتی
اِک سمندر کی پیاس ہیں یہ لوگ!

○

جبر کو روکنے کی تاب نہیں
صبر کو اختیار کرتے ہیں
ہم جگر! زندگی کے پردے میں
موت کا انتظار کرتے ہیں

○

مسجد میں سُدھر جاتے ہیں کچھ لوگ اذاں سے
مندر میں سنور جاتے ہیں کچھ عشقِ بتاں سے
اُن لوگوں کا کیا چارہ کرے کوئی الٰہی!
جن کو ہو عقیدت نہ یہاں سے نہ وہاں سے

○

زندگی! کیوں تو پریشان ہوئی جاتی ہے؟
آخری وقت بھی نادان ہوئی جاتی ہے؟!
یوں تڑپنے کا سبب کیا ہے جب اِک دو پل میں
ہر مصیبت تری آسان ہوئی جاتی ہے؟

○

سُقراط کو زہراب پلایا تھا تمھیں نے
عیسےٰ کو بھی سُولی پہ چڑھایا تھا تمھیں نے
اے اہلِ جہاں! آج جنھیں چُوم رہے ہو
اُن پھولوں کو مٹّی میں ملایا تھا تمھیں نے

○

خوف کی زد میں ہے ہر آنکھ یہاں!
چُپ کا ہر لب پہ یہاں پہرا ہے!
اے جگر! شہرِ خموشاں کی طرح
آج ہر شہر میں سنّاٹا ہے!

○

جسم کٹ جانے سے کیا خُون بھی کٹ سکتا ہے؟
جسم بٹ جانے سے کیا خُون بھی بٹ سکتا ہے؟
ہم نے تو خواب میں بھی ایسا نہ سوچا تھا۔ جگر!
ذہنِ انسان کا اتنا بھی سمٹ سکتا ہے!

○

تیری باتیں تو بہت میٹھی ہیں
لیکن اندازِ بیاں کڑوا ہے!
مجھ سے ناراض ہے تُو آج بہت
سُرخ چہرے سے پتہ چلتا ہے

○

جب کبھی دیکھتا ہوں غور سے سب حرف اُن کے
اُن میں روتے ہوئے انسان نظر آتے ہیں!
جا بہ جا جلتی ہوئی لاشیں مجھے ملتی ہیں!
یعنی اخباروں میں شمشان نظر آتے ہیں!

○

کتنے ہی شوق سے لکھی تھی۔ مگر
کون پڑھتا ہے کہانی میری؟
کالے حرفوں کے مزاروں میں جگر!
ہو گئی دفن جوانی میری!

متفرقات

○

آپ سے صُلح کرنے کی خاطر
ہم نے خُود سے بڑی لڑائی کی

○

دِلاتا رہتا ہے احساسِ زندگی یہ ہمیں
جِگر کا درد نہ ہوتا تو مر گئے ہوتے!

○

آج کل کے میرِ محفل بھی عجب ہیں۔ اے جگرؔ!
آندھیوں کا سوچتے ہیں شمع بُجھ جانے کے بعد

○

جِگرؔ! اپنی پریشانی سے میں بے حد پریشاں ہُوں!
اُنہیں میری پریشانی سے ہوتی ہے پریشانی

○

عِشق کا اِک گُناہ کر کے جِگرؔ!
بچ گئے ہم کئی گُناہوں سے

○

شگُوفے اپنی ہستی کو مِٹا کر پھُول بنتے ہیں
جِگرؔ! پانے کی خاطِر کچھ نہ کچھ کھونا ہی پڑتا ہے

❊

❊ ❊

○

ارمان محل ہو گیا مسمار کسی کا
بھونچال سے کچھ کم نہ تھا انکار کسی کا

○

اُن کی بس ایک چشمِ عنایت کے واسطے
ہم نے دیئے ہزار محبت کے واسطے

○

مسکراتا ہے تو ستا کے مجھے
میں ستاؤں گا مسکرا کے تجھے

○

بے خودی لے خودی نہیں اپنی
کھل کے دیدارِ یار کرتے ہیں

○

جینا، مرنا ہے خوب پھولوں کا!
ہنستے آتے ہیں! ہنستے جاتے ہیں!

○

غم، خوشی میں بھی ہمارے دل سے جا پاتے نہیں
مسکرانا چاہتے ہیں مسکرا پاتے نہیں

○

سدا بہار کہیں کیوں نہ تیرے جلووں کو؟
یہ پھول بارہ مہینے شگفتہ رہتے ہیں!

○

نہیں شعر و سخن سے سرسری وابستگی میری
یہی ہے بندگی میری - یہی ہے آرتی میری

○

یا بخش مجھ کو، یا مرا قصہ تمام کر
جو بھی ہے تیری شان کے شایاں۔ وہ کام کر

○

رہا ہر حال میں انہیں کا خیال
زندگی! تو نے کر دیا ہے کمال!

○

کچھ اور لوگ اس کے زیادہ قریب ہیں
یہ سوچ کر نہ بیٹھے کسی کے قریب ہم

○

برستے تھے ہمیشہ پھول جن سے
وہ لمحے آگ برسانے لگے ہیں!

○

میری نگاہِ شوق کو دیکھا جو کامیاب
چہرے پر اُس نے شرم کا پردا گرا لیا

○

تُو دِل پہ ہاتھ اُٹھانے سے پہلے یہ سوچ لے
مُرجھا گیا یہ پھول تو پھر کھِل نہ پائے گا

○

دامن اگر ہے صاف تو خاص احتیاط رکھ
اِس سے ذرا سا داغ چھُپایا نہ جائے گا

○

دِل کی تسکین ڈھونڈنے والے!
تُو کوئی نیک کام کرکے تو دیکھ

○

پیار کی ایک نظر، ایک نظر، جانِ بہار!
ہم ابھی کانٹوں کو پھولوں میں بدل دیتے ہیں

○

اِک رنگ میں گزار دی تُو نے تمام عُمر
اے پھول! تیری وضع کے قربان جائیے